پرویز صاحب کا مکتوب

محترم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے نام

ابھی ابھی مولوی صاحبان کی طرف سے پرویز صاحب کے خلاف کفر کا ایک فتویٰ شائع ہوا ہے جسے ایک پمفلٹ کی صورت میں بڑی شد و مد سے ہر جگہ تقسیم کیا جا رہا ہے۔ اس پمفلٹ کا تمہیدی بیان چونکہ مفتی محمد شفیع صاحب کی طرف سے شائع ہوا ہے۔ اس لئے پرویز صاحب نے انہیں ایک خط لکھا ہے جو درج ذیل ہے۔ اس خط کی نقول اخبارات کو بھی بغرض اشاعت ارسال کر دی گئی ہیں۔ (ادارہ)

۲۵ - بی گل برگ - لاہور

۲۰ر فروری ۱۹۶۲ء

باسمہٖ تعالیٰ

محترمی مفتی صاحب! السلام علیکم

مجھے ایک پمفلٹ موصول ہوا ہے۔ جس کا عنوان ہے۔

علمائے امت کا متفقہ فتویٰ
پرویز کافر ہے۔

اس فتویٰ کے تمہیدی بیان کے متعلق پمفلٹ میں لکھا ہے کہ وہ آپ کا تحریر فرمودہ ہے۔ اس تمہیدی بیان کے آخر میں آپ نے لکھا ہے کہ:-

> علماء کو کوئی خوشی نہیں کہ کسی مدعیٔ اسلام کے بارے میں اس کے خلاف کوئی رائے رکھیں۔ بلکہ فقہاء کی اس معاملہ میں انتہائی احتیاط ہر قدم پر ان کے سامنے ہے۔ مگر مجبور ہو کر یہ قدم اٹھانا پڑا ہے۔ اور پھر بھی ہم یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہم سے کسی اقتباس کے اخذ کرنے میں کوئی فروگذاشت ہو یا پرویز صاحب کا مفہوم ہم نے کسی جگہ غلط سمجھا ہو تو ہمیں مطلع فرمایا جائے۔ ہم شکریہ کے ساتھ اس پر غور کریں گے۔

میں یہ عریضہ آپ کے بیان کے اسی آخری حصے کے سلسلے میں ارسال خدمت کر رہا ہوں۔

۱ - میں سب سے پہلے یہ دریافت کرنے کی جرأت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا یہ ضروری نہیں تھا کہ جب یہ اقتباسات اخذ کئے گئے تھے۔ اور ان سے کچھ مفہوم مستنبط کیا گیا تھا تو قبل اس کے کہ ان پر فتویٰ لیا جاتا اور اس فتویٰ کی اس طرح

عام اشاعت کی جاتی، مجھ سے دریافت کر لیا جاتا کہ کیا یہ اقتباسات صحیح طور پر اخذ کئے گئے ہیں اور جو مفہوم تمہاری طرف منسوب کیا گیا ہے وہ صحیح ہے؟ کیا یہ عجیب انداز نہیں کہ پہلے فتویٰ صادر کر دیا جائے اور اس کے بعد پوچھا جائے کہ کیا ہم نے صحیح بنیادوں پر فتویٰ صادر کیا ہے؟

۳۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ میری تحریروں سے ایک ایک آدھ آدھ فقرہ ادھر ادھر سے اخذ کر لیا گیا ہے اور انہیں "مکمل اقتباسات" کہہ کر پیش کر دیا گیا ہے۔ پھر ان منتشر ٹکڑوں سے جو مفہوم مرتب کیا گیا ہے، وہ بے حد غلط اور گمراہ کن ہے۔

۴۔ اب جبکہ آپ فتویٰ صادر فرما چکے ہیں اور اس کی اس طرح سے عام اشاعت بھی کر چکے ہیں تو اس کے بعد میری طرف سے کوئی وضاحت کیا مفید نتیجہ پیدا کر سکتی ہے؟ بایں ہمہ اگر آپ اس کا ذمہ لیں کہ جن مقامات پر یہ فتویٰ بھیجا گیا ہے وہاں میرا بیان بھی بھجوا دیا جائے گا تو میں ان تمام شقوں کے متعلق جن پر یہ فتویٰ شائع کیا گیا ہے اپنی تحریروں کے مکمل اقتباسات اور ان کا صحیح مفہوم ارسالِ خدمت کر دوں گا۔

۵۔۔۔ سردست میں اتنا عرض کر دینا کافی سمجھتا ہوں کہ قرآن کریم نے اُس شخص کو مومن کہا ہے

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ (۲/۱۷۷)

میں ان تمام امور پر اُن تصریحات کے مطابق جو قرآن کریم میں مذکور ہیں، ایمان رکھتا ہوں۔ میں نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خدا کا آخری نبی اور رسول اور قرآن کریم کو تمام نوعِ انسان کے لئے آخری ضابطۂ حیات مانتا ہوں۔ ارکانِ اسلام (نماز۔ روزہ۔ وغیرہ) کے متعلق میرا مسلک یہ ہے کہ امت کے مختلف فرقے انہیں جس جس طریق سے ادا کرتے چلے آ رہے ہیں، کسی شخص کو حق حاصل نہیں کہ ان میں کوئی رد و بدل کرے یا کوئی نیا طریق وضع کرے۔

(ب) اطاعتِ خدا اور رسولؐ کے متعلق جو کچھ میں کہتا ہوں وہ صرف یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صورت یہ نہیں تھی کہ ہر شخص اپنے اپنے مفہوم کے مطابق خدا اور رسولؐ کی اطاعت کر لیتا تھا۔ اس کی صحیح شکل یہ تھی کہ حضورؐ کے بعد جو خلافت علیٰ منہاج النبوت قائم ہوئی تھی اس سے پوچھا جاتا تھا کہ فلاں معاملہ میں خدا اور رسولؐ کی اطاعت کس طرح کی جائے گی۔ جو فیصلہ وہاں سے ملتا اُسے خدا اور رسولؐ کی اطاعت سمجھا جاتا۔ اسی سے وحدتِ اُمت قائم تھی۔ جب خلافت باقی نہ رہی تو خدا اور رسولؐ کی اطاعت انفرادی طور پر ہونے لگی۔ اس سے اُمت میں افتراق پیدا ہوا۔ اُمت میں دوبارہ وحدت پیدا کرنے کی صورت یہ ہے کہ پھر خلافت علیٰ منہاج نبوت قائم کی جائے اور اُس کے فیصلوں کے مطابق خدا اور رسولؐ کی اطاعت کی جائے۔ اسی خلافت کو، بغرضِ اختصار، مرکزِ ملت یا اسلامی نظام سے تعبیر کیا جاتا ہے اور میں اس کی بار بار وضاحت کر چکا ہوں۔ میں نہ ہر نظامِ حکومت کو اسلامی نظام

کرتا ہوں اور نہ اس کے فیصلوں کی اطاعت کو خدا اور رسولؐ کی اطاعت۔ میرے نزدیک خلافت علیٰ منہاجِ نبوت کے علاوہ کوئی نظام اسلامی نہیں کہلا سکتا۔ اور نہ اُسے "مرکزِ ملّت" کہا جا سکتا ہے۔

(ج) میں ہر اس حدیث کو صحیح مانتا ہوں جو قرآن کے خلاف نہ ہو۔ یا جس میں نبی اکرمؐ یا صحابہ کبارؓ کی شان میں کوئی طعن نہ پایا جاتا ہو۔ میں صرف اُن وضعی روایات کو "عجمی سازش" سے تعبیر کرتا ہوں جن میں غیر اسلامی معتقدات اور رسومات کو اسلام کے لباس میں پیش کیا گیا ہے۔

۶۔ جس لٹریچر کی بنا پر مجھے "کافر" قرار دیا جا رہا ہے میں اس کے متعلق اتنا عرض کر دینا کافی سمجھتا ہوں کہ اس وقت اس ملک میں ہزاروں تعلیم یافتہ نوجوان ایسے ہیں جو اس لٹریچر کی بدولت اسلام کے گرویدہ ہیں اور اگر یہ لٹریچر ان تک نہ پہنچتا تو وہ کبھی کے مغربی مادیت یا رُوس کے کمیونزم کی آغوش میں جا چکے ہوتے۔ میں اس بے پایاں کرم کے لئے بدرگاہِ ربّ العزّت قدم قدم پر سجدہ ریز ہوں کہ اُس نے مجھے یہ توفیق عطا فرمائی۔

۷۔ چونکہ یہ عریضہ آپ کے اس بیان کے ضمن میں ارسال کر رہا ہوں جو آپ نے پمفلٹ میں شائع کر دیا ہے؛ اس لئے اپنے اس عریضہ کو بھی بغرضِ اشاعت پریس میں بھیج رہا ہوں۔

والسّلام

خیر طلب

پرویز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مفتی محمد شفیع صاحب کے ساتھ

خط و کتابت

طلوعِ اسلام کی سابقہ اشاعت میں، وہ خط و کتابت شائع ہو چکی ہے جو علماء حضرات کے مسئلہ تکفیر کے ضمن میں پرویز صاحب اور مفتی محمد شفیع صاحب کے مابین ہوئی ہے۔ آخری خط (مؤرخہ ۲۵ مارچ ۱۹۶۳ء) پرویز صاحب کی طرف سے تھا۔ مفتی صاحب کی طرف سے اس کا جواب موصول ہوا ہے جسے درج ذیل کیا جاتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ جواب، پرویز صاحب کے خط کی روشنی ہی میں سمجھ میں آسکتا ہے (اور قارئین کے لئے یہ ذرا دشوار ہو گا کہ وہ اس خط کے لئے سابقہ پرچہ کی طرف رجوع کریں) اس لئے ہم نے مناسب سمجھا ہے کہ پرویز صاحب کا خط بھی اسی مقام پر (دوبارہ) شائع کر دیں۔ سو پہلے پرویز صاحب کا خط ملاحظہ فرمائیے۔ اس کے بعد مفتی صاحب کا۔ اور آخر میں پرویز صاحب کا تبصرہ۔

(طلوعِ اسلام)

پرویز صاحب کا خط

(مورخہ ۲۵ مارچ ۱۹۶۳ء)

محترم مفتی صاحب　　　　السلام علیکم

گرامی نامہ مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۶۳ء شرفِ صدور لایا۔ تکلیف فرمائی کے لئے شکر گزار ہوں۔

۱۔ آپ نے فتویٰ کی تمہید میں لکھا تھا کہ

چند مستند علماء کی ایک جماعت نے پرویزی لٹریچر کو پورے غور سے دیکھا اور پوری احتیاط کے ساتھ اس کے حسب ذیل اقتباسات لئے گئے ہیں۔ (پمفلٹ صفحہ ۱۹)

اب آپ نے اس خط میں جو کچھ لکھا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ مستند اور معتمد علماء کی اس جماعت کی تحقیق ایسی قابل اعتماد اور ان کے پیش کردہ اقتباسات اس قدر مکمل تھے کہ انہیں دیکھ کر دیانتاً اس کی گنجائش نہ تھی کہ فتویٰ کی توثیق نہ کی جاتی۔ میں اس سلسلہ میں صرف ایک مثال پیش کرنا چاہتا ہوں جس سے واضح ہو جائے گا کہ "مستند اور معتمد علماء" کی اس جماعت نے کس قسم کی تحقیق فرمائی۔ جو کچھ انہوں نے پیش کیا اس میں کس قدر دیانت سے کام لیا اور جن حضرات نے اس فتویٰ کی توثیق فرمائی انہوں نے کتنی ذمہ داری کا ثبوت دیا۔

۲۔ اس فتویٰ میں مجھے ذات باری تعالیٰ کا منکر ٹھیرایا گیا ہے اور اس کے ثبوت میں حسب ذیل اقتباس پیش کیا گیا ہے۔

> اور چونکہ خدا عبارت ہے ان صفات عالیہ سے جنہیں انسان اپنے اندر منعکس کرنا چاہتا ہے اس لئے قوانین خداوندی کی اطاعت درحقیقت انسان کی اپنی فطرت عالیہ کے نوامیس کی اطاعت ہے (پمفلٹ صفحہ ۳۲)

اس اقتباس سے نتیجہ یہ قائم کی گئی ہے کہ میرے نزدیک

> اللہ تعالیٰ کا کوئی خارجی وجود نہیں (پمفلٹ صفحہ ۳۲)

اب دیکھئے کہ میرے لٹریچر میں ذات باری تعالیٰ کے متعلق کیا لکھا ہے۔ میں نے اس پچیس تیس برس کے عرصہ میں ذاتِ خداوندی کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ ہزارہا صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ متفرق مضامین اور اشارات کے علاوہ میری ایک مستقل تصنیف صرف ذات باری تعالیٰ سے متعلق ہے۔ یہ کتاب سلسلہ معارف القرآن کی پہلی جلد، اور میری اولین مستقل تصنیف ہے جو آج سے بیس سال پہلے شائع ہوئی تھی۔ پہلے ایڈیشن میں اس کا عنوان ہی "اللہ" تھا۔ جدید ایڈیشن میں اس کا نام "من ویزداں" رکھا گیا ہے۔ یہ بڑے سائز کے قریب ساڑھے چار سو صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں پہلے ذاتِ خداوندی کے متعلق قرآن کریم کی تعلیم پیش کی گئی ہے اور اس کے بعد صفات خداوندی (الاسماء الحسنیٰ) میں سے ایک ایک کو نمایاں طور پر سامنے لایا گیا ہے۔ دیکھئے کہ اس کتاب کے ابتدائی صفحات میں ہی اس موضوع پر کیا لکھا ہے۔

> یہ ظاہر ہے کہ جہاں تک خدا کی ذات کا تعلق ہے اس کی کنہ وحقیقت اور ماہیت وکیفیت کا سمجھنا انسانی ذہن کے بس کی بات نہیں۔ ایک محدود ذہن، لامحدود کا تصور کر ہی نہیں سکتا...... یہی وجہ ہے

قرآن نے ذاتِ خداوندی کی کنہ و حقیقت کے متعلق کچھ نہیں کہا۔ صرف یہ بتایا ہے کہ اس کی صفات کیا ہیں۔ قرآنی تعلیم کی عظمت اور بے شابہت کا بنیادی گوشہ یہ ہے کہ ان صفات کی رُو سے خدا کا جو تصور سامنے آتا ہے اس سے بلند، پاکیزہ اور مکمل تصور اور کہیں نہیں مل سکتا۔

(من و یزداں صفحہ ۴ - ۵)

ذرا آگے چل کر لکھا ہے۔

اللہ کیا ہے؟ اس کی ہستی کیسی ہے؟ اس کی ذات کی کنہ و حقیقت کیا ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب عقلِ انسانی کے احاطہ سے باہر ہے۔۔۔۔۔ وہ انسان جو ابھی تک یہ بھی معلوم نہیں کر سکا کہ وہ خود کیا ہے وہ کیا معلوم کر سکے گا کہ خدا کیا ہے۔ وہ شخص جو شے بیزی کی حقیقت تک پہنچنے سے عاجز ہے، شیزی بنانے والے کی کنہ و حقیقت کا کس طرح احاطہ کر سکتا ہے۔ ذاتِ خداوندی کی ماہیت کا علم انسان کی سرحدِ ادراک سے ماوراء ہے۔

جس چیز کو انسان براہِ راست نہ سمجھ سکے اس کے متعلق اندازہ لگانے کا دوسرا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اس جیسی کسی دوسری شے پر غور کیا جائے۔ لیکن وہ ذات بے مثل و بے نظیر ہے (لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ) لہٰذا خدا کی ماہیت انسان کے ذہن میں کیسے آسکتی ہے۔

(من و یزداں صفحہ ۴۲)

اسی کتاب کے صفحہ ۹۰ پر قرآن کریم کی آیات (۲/۲۵۵ ؛ ۵۹/۲۲---۲۴) کو درج کرکے، ان کے ترجمے ذاتِ خداوندی کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے۔

اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی اِلٰہ نہیں۔ زندہ ہے۔ اور اس کی زندگی کے لئے فنا و زوال نہیں۔ القیوم ہے (یعنی ہر شے اس کے حکم سے قائم ہے اور وہ اپنے قیام کے لئے کسی کا محتاج نہیں) نہ (اس کی آنکھ کے لئے) اونگھ ہے نہ (دماغ کے لئے) نیند۔ زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے۔ اس کے سوا کوئی اِلٰہ نہیں۔ غیب و شہادت (حاضر و غائب) کا جاننے والا۔ رحمٰن و رحیم۔ تمام قوتوں کا مالک۔ ہر عیب سے پاکیزہ۔ سلامتی والا۔ امن دینے والا۔ نگہبان۔ غالب۔ بگڑی بنانے والا۔ بڑی عظمت والا۔ وہ لوگوں کے شرک سے پاک ہے اللہ وہ ہے جو پیدا کرنے والا۔ ٹھیک ٹھیک بنانے والا، مصوّر گر (بہترین ہیئت عطا کرنے والا) سب اچھے اچھے نام (تمام عمدہ صفات) اس کے لئے ہیں۔

اسی کتاب کے صفحہ ۳ پر آپ کو یہ عبارت ملے گی۔

> الٰہ حقیقی کی جو صفات گذشتہ صفحات میں آپ کے سامنے آئی ہیں ان پر ایک دفعہ پھر نگاہ ڈالئے اور دیکھئے کہ زندگی کا کوئی گوشہ بھی ایسا رہ جاتا ہے جس کے لئے کسی اور "الٰہ" کی تلاش رہے زندگی بخشنے والا، پرورش کرنے والا، رزق دینے والا، امن و سلامتی عطا فرمانے والا، ہر وقت نگہبان، بگڑی بنانے والا، ہر معاملہ میں کارساز، وہ جس پر کامل بھروسہ کیا جائے، جسے مایوسیوں میں پکارا جائے۔ جس کے قبضہ میں نفع و نقصان ہو۔ جو حاضر و غائب کا علم رکھتا ہو۔ سب پر غالب، عظمتوں کا مالک، ہر عیب سے منزہ۔ مالک الملک، شہنشاہ حقیقی، جس کی زندگی کے لئے فنا نہ ہو، جس کے سب محتاج ہوں۔ کیا اس ہستی کے علاوہ کوئی اور ہستی بھی اس قابل ہے کہ اس کی عبودیت اختیار کی جائے۔

یہ کتاب کی ابتدا تھی۔ اس کے آخری صفحات میں آپ کو یہ عبارت ملے گی۔

> جیسا کہ شروع میں لکھا جا چکا ہے، اللہ کی ذات کی معرفت انسانی حیطۂ ادراک سے ماوراء ہے اس نے انسان کو اپنے متعلق جس قدر علم دینا چاہا وہ ان صفات کے ذریعے دے دیا جو قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ اس لئے ہم اللہ کے متعلق جو کچھ بھی جان سکتے ہیں، وہ اتنا ہی ہے جتنا قرآن بیان کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ ایسا نہیں جس سے ہم خدا کی ذات کو پہچان سکیں یا اس کے متعلق علم حاصل کر سکیں۔ یہی ایک ... عبد مومن کے لئے علم کا آخری نقطہ اور معرفت کی آخری حد ہے۔ اس سے آگے نہ بڑھا جائے کہ اس سے نہ بڑھنے کی کوشش نتیجہ خیز ہو سکتی ہے۔ اسلام ایک سیدھا سادا صاف و شفاف نصاب تعلیم و ضابطہ عمل ہے۔ اس میں نہ بے مقصد فلسفیانہ نکتہ آفرینیاں ہیں نہ بے مطلب عالم خیال کی قیاس آرائیاں۔ اسلام سے مفہوم یہ ہے کہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل شدہ قرآن کے مطابق خدا پر ایمان، فکر و نظر کے تمام گوشوں کا مرکز ہو۔ اور امکانی حدود کے اندر صفات خداوندی کا اپنے اندر منعکس کرتے جانا اعمال حیات کے تمام شعبوں کا محور۔ (صفحہ ۲۴۶)۔

۳۔ فتویٰ میں کہا گیا ہے کہ میں "موجود فی الخارج" خدا کا قائل نہیں ہوں۔ جو اقتباسات اوپر دیئے گئے ہیں وہ بھی اس الزام کی تردید کے لئے کم نہیں۔ لیکن اس خاص نقطہ کے متعلق میری کتاب "سلیم کے نام خطوط" میں جو کچھ کہا گیا ہے اسے بھی آپ کی معلومات کے لئے درج کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ اس میں لکھا ہے۔

لیکن دین (قرآن) خدا کے متعلق ایک جداگانہ تصور عطا کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ خدا ذہنِ انسانی کا تراشیدہ نہیں بلکہ وہ خارج میں موجود ہے۔ وہ اس وقت بھی موجود تھا جب کوئی تصور کرنے والا ذہن موجود نہیں تھا۔ اور اس وقت بھی موجود ہوگا جب کوئی تصور کرنے والا ذہن موجود نہیں ہوگا۔ وہ موجود ہے اور اپنی خصوصیات کے ساتھ موجود ہے۔ اس کی یہ خصوصیات (جنہیں صفات کہا جاتا ہے) مستقل بالذات اور موجود فی الخارج ہیں۔

(جلد دوم صفحہ ۷ - ۸)

اور اسی خط کے آخر میں کہا گیا ہے

یہ ہے سلیم! وہ خدا جس پر ایمان لانے کا مطالبہ قرآن کی طرف سے کیا جاتا ہے۔ مختصر الفاظ میں اس حقیقت کو پھر دہرا لو کہ یہ خدا کسی انسان کے ذہن کی تخلیق نہیں بلکہ ایک موجود فی الخارج ذات ہے جسے حقیقتِ مطلقہ کہا جاتا ہے۔ اس خدا کا تعارف ان صفات کی رو سے ہوتا ہے جو اس نے خود وحی کے ذریعے بیان کر دی ہیں۔ (ایضاً صفحہ ۳۶)

میں پوچھنا چاہتا ہوں "مستند اور معتمد علماء" کی اس جماعت سے جس نے میرے لٹریچر کو "پورے غور سے دیکھا اور پوری احتیاط کے ساتھ اس کے اقتباسات پیش کئے" کہ انہیں میرے لٹریچر میں مندرجہ بالا عبارات کہیں دکھائی نہیں دیں؟ (اور اگر دکھائی نہیں دیں تو کیوں؟) - اور میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں آپ حضرات سے جنہوں نے اس فتویٰ کی توثیق فرمائی کہ جس شخص کا عقیدہ وہ ہو جو مندرجہ بالا عبارات سے روزِ روشن کی طرح واضح ہے، کیا اس کے متعلق یہ کہا جائے گا کہ وہ موجود فی الخارج خدا کی ذات کا منکر ہے؟ اور جو لوگ یہ سب کچھ جانتے بوجھتے اس کے متعلق یہ کہیں، ان کے بارے میں آپ کا کیا فتویٰ ہے؟

۴۔ انسان کے لئے کیوں ضروری ہے کہ وہ خدا پر ایمان رکھے۔ اس سلسلہ میں میں نے (من جملہ دیگر امور) لکھا ہے کہ

انسان صرف جسم کا نام نہیں۔ جسم کے علاوہ اس کے پاس ایک اور شے بھی ہے جسے انسانی ذات کہتے ہیں۔ انسانی ذات کی اگر مناسب نشوونما ہو جائے تو اس میں حدِ بشریت کے اندر وہ صفات اجاگر ہوتی چلی جاتی ہیں جنہیں خدا کے ضمن میں اسماء الحسنیٰ کہا جاتا ہے۔ اس طرح کی نشوونما یافتہ ذات حیاتِ جاوید حاصل کر لیتی ہے اور جسم کی موت سے اس کا کچھ نہیں بگڑتا۔ (ان میں وہ صفات خداوندی شامل نہیں جن کا تعلق خدا کی لاتناہیت سے ہے)۔ قرآن نے

صفاتِ خداوندی کو اس تفصیل اور وضاحت اور حسن و خوبی کے ساتھ اسی لئے بیان کیا ہے کہ انسان انہیں اپنی ذات کی نشو و نما کے لئے بطور معیار اپنے سامنے رکھے۔ جوں جوں انسانی ذات میں ان صفات کی نمود ہوتی جاتی ہے وہ (قرآن کے الفاظ میں) "خدا کے رنگ میں رنگا جاتا ہے" یا اس کا قرب حاصل کرتا جاتا ہے۔

خدا کی صفات کو اپنے سامنے بطور معیار رکھ لینا اور اپنی ذات میں ان کی نمود کو زندگی کا نصب العین قرار دے لینا ایمان باللہ (خدا پر ایمان) کہلاتا ہے۔

(من و یزداں صفحہ ۷- و ۱۸- و - ۴۴۷)

ان تصریحات کی روشنی میں اس فقرے کو دیکھئے جسے "علماء کی کمیٹی" نے پیش کر کے مجھے خدا کا منکر ٹھہرایا ہے۔ میں نے اسلامی مملکت کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

اس نظریۂ حیات اور تصورِ مملکت کی بنیاد اس آفاقی اصول پر ہے کہ قانون سازی کا حق کسی انسان کو نہیں۔ انسانوں کے لئے اصولی قوانین اور اساسی آئین صرف ذاتِ خداوندی متعین کر سکتی ہے۔ اس لئے اس نظامِ مملکت میں حاکمیت کا اقتدارِ اعلیٰ صرف خدا کو حاصل ہے اور چونکہ خدا عبارت ہے ان صفاتِ عالیہ سے جنہیں انسان اپنے اندر منعکس کرنا چاہتا ہے اس لئے قوانینِ خداوندی کی اطاعت درحقیقت انسان کی اپنی فطرتِ عالیہ کے نوامیس کی اطاعت ہے کسی غیر کی محکومیت نہیں۔ فلہذا اس مملکت میں انسان کسی غیر کا محکوم اور غلام نہیں ہوتا بلکہ اس حریت و آزادی کا زندہ پیکر ہوتا ہے جو اس کی فطرتِ صحیحہ کا تقاضا ہے۔

(معراجِ انسانیت صفحہ ۴۲۰)

اس باریک نکتہ کی وضاحت "من و یزداں" میں ان الفاظ سے کی گئی ہے۔

بجز ان صفات کے جن کا تعلق خالصتاً خدا کی لامتناہیت اور لامحدودیت سے ہے (مثلاً یہ کہ اُسے کسی نے پیدا نہیں کیا۔ نہ ہی وہ عدم سے وجود میں آیا ہے) انسانی ذات کی یہ صفات محدود اور مضمر ہوتی شکل میں ہوتی ہیں، تیز قابلِ نشو و نما۔ ان کی نشو و نما اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ انسان صفاتِ خداوندی کو اپنے سامنے بطور معیار رکھے۔ یہ انسان اور خدا کا بنیادی تعلق ہے۔ جس چیز کو قوانینِ خداوندی کی اطاعت کہتے ہیں وہ (معاذ اللہ) کسی مستبد، مطلق العنان ڈکٹیٹر کے احکام کی فرماں پذیری نہیں ہوتی بلکہ ان ہدایات کا اتباع

ہوتا ہے جن سے انسانی ذات کی نشوونما ہوتی ہے۔ ان ہدایات کے اتباع سے اس کی ذات کے تقاضوں کی تسکین ہوتی ہے۔ (من و یزداں - صفحہ ۱۴)

علامہ اقبالؒ نے اسی بلند حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

اسلام خدا کی اطاعت کا مطالبہ کرتا ہے تخت و تاج کی اطاعت کا نہیں۔ اور چونکہ خدا زندگی کی آخری اساس ہے۔ اس لئے خدا کی اطاعت درحقیقت انسان کی اپنی مثالی فطرت کی اطاعت کے مرادف ہے۔[1] (خطباتِ اقبال انگریزی صفحہ ۱۴۷)

۵۔۔۔ میں انہی اقتباسات کو کافی سمجھتا ہوں ورنہ جیسا کہ میں نے شروع میں کہا ہے، ذاتِ خداوندی کے متعلق میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ ہزاروں صفحات میں بکھرا پڑا ہے۔ آپ ان تشریحات سے بخوبی اندازہ فرما سکیں گے کہ علماء کی کمیٹی نے میرے لٹریچر سے اقتباسات پیش کرنے میں کس "احتیاط اور دیانت" سے کام لیا ہے اور جن حضرات نے اس فتوے کی توثیق فرمائی ہے، انہوں نے کس قدر ذمے داری کا ثبوت دیا ہے۔ اس ایک مثال سے آپ کمیٹی کی باقی تحقیق کا بھی بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

۶۔۔۔ آپ نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ "اگر آپ کسی ایسے اقتباس کی نشاندہی کر دیں جو آپ کی جانب غلط منسوب کر دیا گیا ہے یا اقتباس ایسا ناقص اور ادھورا ہے کہ سیاق و سباق سے ہٹ کر کوئی بالکل مختلف مفہوم پیدا کرتا ہے...... یا کوئی ایسی شاذ عبارت ہو جو آپ کی کثیر التعداد تصانیف و مقالات میں پیش کردہ مسلک سے بالکل میل نہ کھاتی ہو۔ تو اس پر یقیناً غور کیا جائے گا اور اس کے نتیجے میں اگر نفسِ فتویٰ پر کوئی اثر پڑتا ہے تو اس امر کی اشاعت بھی ضرور کی جائے گی۔"

میں نے اپنی تحریروں کے جو اقتباسات اس خط میں پیش کئے ہیں مجھے امید ہے کہ ان کی روشنی میں آپ مجھ سے متفق ہوں گے کہ آپ پر یہ فریضہ عائد ہو جاتا ہے کہ آپ اس کا اعلان فرمائیں، اور اس اعلان کی عام اشاعت کریں کہ کم از کم اس حد تک علماء کی کمیٹی نے میرے خیالات پیش کرنے میں احتیاط اور دیانت سے کام نہیں لیا اور یہ کہ فتویٰ کی یہ شق باطل اور گمراہ کن ہے۔ اگر آپ نے ایسا کر دیا تو میں عند الضرورت اس کمیٹی کی تحقیقات کے باقی حصوں کی بھی اسی طرح نقاب کشائی کر دوں گا۔ وہیں سے یہ حقیقت بھی آپ پر روشن ہو جائے گی کہ میرے معتقدات و نظریات کے خلاف (بقول آپ کے) "متعدد اہلِ علم عرصۂ دراز سے وقتاً فوقتاً شرح و بسط کے ساتھ جو کچھ کہتے چلے آ رہے ہیں" اس میں حقیقت کس قدر ہے اور خالص پروپیگنڈہ کس قدر۔

---

[1] خدا نہ کرے کہ کوئی صاحب اقبالؒ پر بھی یہ کہہ کر کفر کا فتویٰ نہ لگا دیں کہ خدا زندگی کا خالق ہے، زندگی کی اساس نہیں۔ ویسے سنا ہے کہ فتویٰ ان پر بھی لگا تھا۔

۷۔۔۔ اس ضمن میں اتنا واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں یہ خط و کتابت اس لئے نہیں کر رہا کہ میرے نزدیک اس قسم کے فتووں سے واقعی ایک مسلمان کافر ہو جاتا ہے اور اس کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ اپنے ایمان کا ثبوت پیش کرے۔ میں تو ایک طرف رہا، اس بات کے تو خود آپ بھی قائل نہیں کہ ان فتووں سے ایک مسلمان واقعی کافر ہو جاتا ہے۔ مثلاً آپ اپنی ہی مثال لیجئے۔ آپ دیوبندی مکتبِ خیال سے متعلق ہیں، اور آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ دیوبندی حضرات پر کفر کے متعدد فتوی لگ چکے ہیں۔ اس کے باوجود آپ نے کبھی اپنے آپ کو کافر نہیں سمجھا۔ یا جن علماء نے اس فتوے پر دستخط کئے ہیں وہ جن فرقوں سے متعلق ہیں، ان میں سے کون فرقہ ایسا ہے جس پر کفر کے فتوے نہیں لگ چکے۔ لیکن اس کے باوجود وہ سب مسلمان کے مسلمان ہیں۔ سو ظاہر ہے کہ جب دوسروں کے فتووں سے یہ حضرات کافر نہیں ہوئے، تو ان کے فتووں سے دوسرا کافر کس طرح ہو جائے گا؟ میں نے یہ خط و کتابت محض اس لئے کی ہے کہ آپ حضرات نے اپنی غیر ذمہ داری سے (جس کا ثبوت اوپر پیش کیا جا چکا ہے) ہزاروں سادہ لوح مسلمانوں کو، دوسرے مسلمانوں سے بدظن کر دیا ہے اور اس قسم کی بدظنی قرآن کریم کی رُو سے اثم (گناہ) قرار پاتی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ سادہ لوح مسلمان اس گناہ سے بچ جائیں، اور آپ میں سے بھی جن حضرات کو اللہ توفیق عطا فرمائے وہ اپنے اس اقدام سے نادم ہو کر خدا کے حضور تائب ہو سکیں۔

۸۔۔۔ اگر آپ ایک مخلصانہ مشورہ پر غور کرنے کے لئے تیار ہوں تو میں عرض کروں گا کہ اگر آپ فتاویٰ صادر کرنے کی اہم ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائیں تو آپ کے لئے بہت اچھا ہو گا اس لئے کہ اس قسم کے فیصلے دینے کے لئے جس قسم کی تحقیق اور کاوش کی ضرورت ہوتی ہے وہ (معاف بفرمائیے) آپ کے بس کی بات نہیں۔ اور دوسروں کی تحقیق جس قدر قابلِ اعتماد ہوتی ہے اس کا نمونہ آپ اوپر دیکھ چکے ہیں۔ آپ کو یاد ہو گا کہ تقسیم سے پہلے آپ نے یہ فتویٰ دیا تھا کہ عبادات کے لئے لاؤڈ سپیکر کا استعمال ناجائز ہے۔ اس فیصلہ تک پہنچنے کے لئے آپ نے لکھا تھا کہ آپ نے اس کے متعلق ایلگزنڈرا ہائی سکول بھوپال کے سائنس ماسٹر برج نندن لال صاحب سے دریافت کیا تھا اور انہوں نے کہا تھا کہ "برقی قوت کی وجہ سے میں تو کم از کم یہ ماننے میں تامل کرتا ہوں کہ اصل آواز ہے۔ اور اس کا انکار بھی مجھ سے ممکن نہیں کہ ثبوت مشکل ہے"۔ اس "تحقیق" کی بنا پر آپ نے لاؤڈ سپیکر کے استعمال کو شرعاً ناجائز قرار دے دیا تھا۔ اب اسی لاؤڈ سپیکر کو آپ سمیت تمام علمائے کرام بلا تامل استعمال کرتے ہیں۔

یہ تو عام مسائل کے متعلق فتویٰ کا ذکر ہے۔ جہاں تک کسی مسلمان کو کافر قرار دینے کا تعلق ہے (وہ آپ کے الفاظ میں) "کوئی معمولی سانحہ نہیں ہوتا"۔ میں اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتا کہ کسی فرد کو اس کا حق بھی حاصل ہے یا نہیں کہ وہ کسی مسلمان کے کفر و ایمان کا فیصلہ کرے۔ لیکن اگر کوئی شخص اسے اپنا حق سمجھتا بھی ہے تو اس کے لئے میں

احتیاط اور دیانت کی ضرورت ہے وہ بالکل عیاں ہے۔ اور جب اس قسم کی تحقیق و کاوش آپ کے بس کی بات نہیں تو آپ کیوں اتنا بڑا بوجھ ناحق اپنی گردن پر لاد کر خدا کے حضور جائیں! میں سمجھتا ہوں کہ خدا یہ تو شاید پوچھے کہ تم نے کتنے کافروں کو مسلمان بنایا تھا لیکن وہ یہ نہیں پوچھے گا کہ تم نے کتنے مسلمانوں کو کافر بنایا تھا!

۹۔ اس تکفیر و تفسیق سے اُمت کو کس قدر نقصان پہنچا ہے، اسے تو چھوڑیئے۔ اس سے خود آپ حضرات کی پوزیشن کیا ہو گئی ہے اس کے متعلق آپ مجھ سے نہیں، خود اپنوں میں سے ہی ایک کی زبان سے سنیئے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب اس ضمن میں لکھتے ہیں:۔

افسوس ہے کہ مدتوں کی چلی ہوئی اس روش کو چھوڑنے پر ہمارے علمائے کرام کسی طرح راضی نہیں ہوتے انہوں نے اصل اور فرع، نص اور تاویل کے فرق کو نظر انداز کر دیا ہے۔ وہ ان فروع کو بھی اصول بنائے بیٹھے ہیں جن کو انہوں نے خود یا ان کے اسلاف نے اپنے مخصوص فہم کی بنا پر اصول سے اخذ کیا ہے۔ وہ ان تاویلات کو بھی نصوص کے درجے میں رکھتے ہیں جو نصوص سے معانی اخذ کرنے میں ان کے گروہ نے اختیار کی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اپنے فروع اور اپنی تاویلات کے منکر کو بھی اسی طرح کافر قرار دیتے ہیں جس طرح اصول اور نصوص کے منکر کو قرار دیا جاتا ہے۔ اس کھینچ تان اور بے اعتدالی نے پہلے تو اسلامی جمعیت میں صرف تفرقہ ہی پیدا کیا تھا مگر اب ہم دیکھ رہے ہیں کہ علماء کی یہ کافر گری مسلمانوں کے دلوں میں نہ صرف علماء کی طرف سے بلکہ خود اس مذہب کی طرف سے بھی بدگمانیاں پیدا کر رہی ہے جس کی نمائندگی یہ علماء کرتے ہیں۔ روز بروز علماء کا اقتدار مسلمانوں پر سے اٹھتا جا رہا ہے۔ ان کی باتیں سن کر دل مذہب کی طرف راغب ہونے کے بجائے اس سے دُور بھاگنے لگے ہیں۔ مذہبی مجلسوں اور مذہبی تحریروں کے متعلق یہ عام خیال پیدا ہو گیا ہے کہ ان میں فضول جھگڑوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اس غلبۂ کفر و فسق کے زمانے میں عام مسلمانوں کو مذہبی علوم کی واقفیت بہم پہنچانے کا اگر کوئی ذریعہ ہو سکتا تھا تو وہ یہ تھا کہ علمائے دین پر لوگوں کو اعتماد ہوتا اور وہ ان تحریروں اور تقریروں سے فائدہ اٹھاتے۔ مگر افسوس کہ ان فرقہ بندی کی لڑائیوں اور ان تکفیر کے مشغلوں سے یہ ایک ذریعہ بھی ختم ہوا جا رہا ہے اور یہ مسلمانوں میں مذہب سے عام ناواقفیت اور گمراہی کے پھیلنے کی ایک بڑی وجہ ہے۔ کاش ہمارے علماء اپنی اس غلطی کو محسوس کریں اور اسلام اور مسلمانوں پر نہیں تو خود اپنے اوپر ہی رحم کر کے اس روش سے باز آ جائیں جس نے ان کو اپنی قوم میں اس قدر رسوا کر دیا ہے۔ ورنہ ایک یہی وہ قوم تھی جو

کبھی ان کو سر آنکھوں پر بٹھاتی تھی۔ (تفہیمات۔ حصہ دوم صفحہ ۱۵۲)

۱۰۔ میں حسب سابق اس خط و کتابت کو بھی اشاعت کے لئے پریس میں بھیج رہا ہوں۔ اللہ ہم سب کو صحیح راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ والسلام

خیر طلب :۔ **پرویز** ۲۵ مارچ ۱۹۶۳ء

مفتی محمد شفیع صاحب کا

جواب

جنابؔ پرویز صاحب السلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

بجواب مراسلہ مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۶۲ء عرض ہے کہ میں نے اپنے سابقہ مکتوب مورخہ ۱۳ مارچ میں گذارش کی تھی کہ اگر آپ کسی ایسی عبارت کی نشاندہی کریں جو آپ کی جانب غلط منسوب کی گئی ہے یا کوئی اقتباس پیش کریں جو ایسا ناقص اور ادھورا ہے کہ سیاق و سباق سے ہٹ کر کوئی بالکل مختلف مفہوم پیدا کرتا ہے۔ اگر ایسی کوئی صورت ہے تو یقیناً اس پر غور کیا جائے گا، اور اس کے نتیجہ میں اگر نفس فتویٰ پر کوئی اثر پڑتا ہے تو اس امر کی اشاعت بھی ضرور کی جائے گی،

آپ اس قسم کی کوئی عبارت یا کوئی ایسا اقتباس پیش نہیں کر سکے، اس صورت میں ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ آپ کھلے دل سے اس بہتان پر معذرت کرتے جو آپ نے علماء پر لگایا ہے کہ

"میری تحریروں میں سے ایک ایک آدھ آدھ فقرہ۔ ادھر ادھر سے اخذ کر لیا گیا ہے، اور انہیں مکمل اقتباسات کہہ کر پیش کر دیا گیا ہے۔ پھر ان منتشر ٹکڑوں سے جو مفہوم مرتب کیا گیا ہے وہ بیحد غلط اور گمراہ کن ہے"

بجائے اس کے آپ نے پھر غلط بحث کی سعی لاحاصل شروع کر دی، اور ایک طویل مراسلہ لکھ مارا، جس کا زیادہ سے زیادہ حاصل یہ ہے کہ آپ نے اپنی ہزاروں صفحات پر پھیلی ہوئی تصانیف میں متعدد جگہ "ذات باری تعالیٰ" کے متعلق صحیح تصو

ؔ خط کے شروع میں ۷۸۶ بسم اللہ " کاتب کا سہو نہیں۔ اصل خط پر بسم اللہ " یا ۷۸۶ ہے ہی نہیں۔ (طلوع اسلام)

بھی پیش کیا ہے، معلوم نہیں اس کی ضرورت آپ کو کیوں لاحق ہوئی۔ اس لئے کہ علماء نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ ساری عمر میں آپ نے اپنی تحریروں میں کوئی بات یا کوئی عبارت صحیح لکھی ہی نہیں۔ سوال تو یہ ہے کہ اگر سو جگہ ایک شخص بالکل صحیح بات کہے اور دس بیس جگہ بالکل غلط اور کافرانہ عقائد کا اظہار کرے تو کیا محض یہ امر کہ اس نے متعدد بار صحیح بات بھی کہی تھی اس کو غلط تصورات رکھنے یا شائع کرنے کی ذمہ داری سے بری قرار دیدے گا؟ آخر مرزا غلام احمد آنجہانی نے بھی تو متعدد جگہ اپنے آپ کو غیر نبی ہی قرار دیا ہے صرف چند ہی مقامات ایسے ہیں جہاں اس نے نبوت کا دعویٰ پیش کیا ہے

اللہ پاک کے متعلق ملت اسلامیہ کے مسلمہ عقیدے کو لیجئے اور پھر محض نمونے کے طور پر اپنی ان چند عبارتوں ہی کو دیکھ لیجئے جو اس "فتویٰ" میں درج ہیں، کہیں:۔

اللہ رسول سے مراد مرکز ملت ہے (معارف القرآن جلد ۴ صفحہ ۶۲۵، ۶۲۶)

اللہ اور رسول سے مراد ہی مرکز ملت ہے (معارف القرآن جلد ۴ صفحہ ۶۸۶)

"خدا عبارت ہے ان صفات عالیہ سے جنہیں انسان اپنے اندر منعکس کرنا چاہتا ہے (معارف جلد ۴ صفحہ ۴۲۲)

اللہ و رسول سے مراد وہ مرکز نظام دین ہے جہاں سے قرآنی احکام نافذ ہوں (معارف جلد ۴ صفحہ ۶۱۶)

قرآن کریم میں جہاں اللہ اور رسول کا ذکر آیا ہے اس سے مراد مرکز نظام حکومت ہے (معارف جلد ۴ صفحہ ۶۲۲، ۶۲۳)

ان مقامات سے ظاہر ہے کہ اللہ اور رسول سے مراد مسلمانوں کا امام ہے (معارف جلد ۴ صفحہ ۶۲۴)

قرآن کریم میں مرکز ملت کو اللہ اور رسول کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اللہ اور رسول یعنی مرکز نظام ملت کی اطاعت کی تاکید کی گئی ہے (معارف جلد ۴ صفحہ ۶۳۱)

اللہ اور رسول کی اطاعت سے مراد مرکزی حکومت کی اطاعت ہے جو قرآنی احکام کو نافذ کرے گی اسلامی نظام صفحہ ۸۶)

اب ذرا ہٹ دھرمی اور سخن پروری کے جذبہ سے ہٹ کر غور کیجئے کہ آیا ذات باری کا یہی وہ مفہوم ہے جو سلف سے لے کر خلف تک امت محمدیہ کا بنیادی عقیدہ رہا ہے۔

پھر اللہ پاک کے بارے میں اس طرح کے تصورات آپ کی تصانیف میں شاذ کی حیثیت بھی نہیں رکھتے بلکہ جگہ جگہ پھیلے ہوئے ہیں۔ اور آپ کے عقائد کو پوری طرح واضح کر دیتے ہیں۔

آپ کا یہ کہنا کہ بیس پچیس سال پہلے کی تصانیف میں آپ نے "ذات باری تعالیٰ" کے متعلق فلاں بات لکھی اور پھر فلاں مقالے میں فلاں تصور پیش کیا تو یہی ایک موضوع کا کیا سوال ہے، دوسرے بنیادی مسائل مثلاً حجیت حدیث، سنت رسول اور اطاعت رسول وغیرہ کے متعلق بھی ابتداء آپ نے جو خیالات پیش کئے ہیں

وہ چنداں قابلِ اعتراض نہ تھے، بخوفِ طوالت آپ کی سابقہ تحریروں کے اقتباس پیش کرنے سے اجتناب کرنا چاہتا ہوں، ورنہ کتنی ہی عبارتیں بتائی جا سکتی ہیں جن میں باہم تضاد و تہافت نمایاں ہے، بہت سے مسائل کے متعلق ابتداءً آپ نے کچھ مسلک پیش کیا اور پھر بتدریج اس منزل کی طرف بڑھے جہاں اب آپ پہنچے ہیں کہ سنت رسول کے سرمایہ کو عجمی سازش کہنے لگے، اسے استخفاف و استہزاء کا ہدف بنانے لگے اور زیادہ سے زیادہ اسے تاریخ کا درجہ دیکر ناقابلِ اطاعت قرار دے دیا۔

اس مراسلہ کے اختتام سے پہلے آپ کی توجہ آپ ہی کی ایک عبارت کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں تاکہ "کافر گری" کی جو پھبتی آپ نے چست کرنے کی کوشش کی ہے اس کے متعلق آپ اپنا موقف بھی نظر میں رکھیں۔ آپ ہی کی تحریر ہے کہ:۔

تیرہ سو سال میں مسلمانوں کا سارا زور اسی میں صرف ہوتا رہا کہ کسی نہ کسی طرح اسلام کو قرآن سے پہلے زمانہ کے مذہب میں تبدیل کر دیا جائے، چنانچہ وہ اس کوشش میں کامیاب ہو گئے اور آج جو اسلام دنیا میں مروج ہے وہ، زمانہ قبل از قرآن کا مذہب ہو تو ہو، قرآنی دین سے اس کا کوئی واسطہ نہیں" (سلیم کے نام صفحہ ۲۵۲)

اس میں آپ نے تیرہ سو سال کی پوری امت محمدیہ کے اربوں مسلمانوں کو جن میں صلحاء، اولیاء، اور اتقیا بھی لاکھوں کی تعداد میں شامل ہیں، یک قلم اسلام سے خارج، قرآنی دین سے بے تعلق اور جاہلیت کے مذہب کا پیرو قرار دیدیا ہے اس وقت آپ کو اپنے الفاظ میں یہ خیال نہ آیا کہ:۔

"خدا شاید یہ تو پوچھے کہ تم نے کتنے کافروں کو مسلمان بنایا تھا۔ لیکن یہ نہیں پوچھے گا کہ تم نے کتنے مسلمانوں کو کافر بنایا تھا۔

ایک فرد "پرویز صاحب" کی تکفیر و تفسیق سے تو آپ کے نزدیک امت میں زلزلہ آ گیا اور ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ گیا مگر پوری امت کی تکفیر و تفسیق سے اسلام اور امت اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔

میں نے اپنے پہلے خط میں بھی لکھا تھا کہ لاطائل بحث و جدال کی نہ مجھے فرصت ہے نہ اس کا کوئی فائدہ نظر آتا ہے اب آپ کے مکتوب کے فقروں میں جو لب و لہجہ استعمال کیا گیا ہے، جس سطح پر آ کر آپ نے گفتگو شروع کی ہے اور جو زبان بولنا اختیار کیا ہے، اس کے پیش نظر اس رجحان کو مزید تقویت ہوئی کہ اس جواب کو اپنی جانب سے آخری جواب تصور کروں اور آپ سے درخواست کر دوں کہ مجھ سے مزید مراسلت کی زحمت نہ کریں نہ مجھ سے آیندہ کسی مراسلت کے

جواب کی توقع کریں، اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت کی راہ دکھائیں۔

اللّٰھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

۱۲ اپریل ۶۲ء

پرویز صاحب کا تبصرہ

چونکہ مفتی صاحب نے کہہ دیا ہے کہ انہیں مزید خط نہ لکھا جائے، اس لئے میں نے انہیں، ان کے خط کا جواب نہیں بھیجا۔ لیکن چونکہ انہوں نے اپنے خط کو اخبارات میں شائع کرا دیا ہے (اور اس کا طلوع اسلام میں شائع ہونا ویسے بھی ضروری تھا) اس لئے میں نے مناسب سمجھا ہے کہ ان کے خط کے ساتھ چند وضاحتی سطور شائع کر دی جائیں۔ اس مقام پر میں اس حقیقت کو (جس کی طرف میں نے اپنے خط مورخہ ۲۲/۳/۲۵ کے پیراگراف میں اشارہ کیا تھا) ایک بار پھر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں یہ خط و کتابت ۔ یا وضاحت ۔ اس لئے ضروری نہیں سمجھتا کہ میرے نزدیک ان حضرات کے اس فتوے کو کوئی اہمیت حاصل ہے (ان کے اس قسم کے فتاویٰ کی حیثیت و حقیقت کے متعلق، اسی خط کے اخیر میں چند الفاظ لکھ دیئے گئے ہیں) . . . .

. . . میں یہ وضاحت اس لئے ضروری سمجھتا ہوں کہ ممکن ہے وہ سادہ لوح مسلمان جنہیں ان حضرات نے اپنی بہتان تراشیوں اور افتراء پردازیوں سے بدراہ کرنا شروع کر رکھا ہے، میری اس وضاحت سے حقیقت حال تک پہنچ جائیں اور بدظنی کے گناہ سے بچ جائیں۔ باقی رہے خود یہ حضرات، سو آپ مفتی صاحب کے خط سے خود اندازہ لگا لیں گے کہ انہیں یہ توفیق ہی نصیب نہیں ہوئی کہ حقیقت کے بے نقابانہ سامنے آ جانے کے بعد بھی، اس کا اعتراف کر لیں۔ یہی وہ ذہنیت ہے جس کی طرف قرآن کریم نے یہ کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا (۲۷/۱۴)۔ ان کا دل تو یقین کر لیتا ہے لیکن سرکشی اور اپنی بڑائی کا خیال انہیں اس کے

اعتراف کی طرف آنے نہیں دیتا۔ بلند مسندیں اور ان کی وجہ سے پیدا شدہ پندارِ نفس، اعترافِ حقیقت کی راہ میں بُری طرح حائل ہوتا ہے۔ سچ کہا ہے کسی نے کہ

در مجلسِ ما زاہد، زنہار تکلف نیست
البتہ تو می گنجی۔ عمامہ نمی گنجد

(۲) مفتی صاحب چھوٹتے ہی فرماتے ہیں کہ

آپ اس قسم کی کوئی عبارت یا کوئی ایسا اقتباس پیش نہیں کر سکے۔

آپ میرے سابقہ خط (موصفہ ۲۵) کو دیکھئے اور پھر خود ہی فیصلہ کیجئے کہ اس میں میں نے کوئی عبارت یا اقتباس پیش کیا ہے یا نہیں؟ وہ تو سارے کا سارا اقتباسات پر مشتمل ہے! آپ یقیناً دل میں سوچتے ہوں گے کہ یہ حضرات اس قدر واضح غلط بیانی کی جرأت کس طرح کر لیتے ہیں؟ لیکن آپ کو معلوم نہیں کہ ان کی ٹیکنیک کیا ہے؟ مفتی صاحب اپنے خطوط کو اپنے ہم نوا اخبارات میں شائع کرا دیتے ہیں لیکن میرا جواب شائع نہیں کراتے۔ اب آپ دیکھئے کہ جب ان کے ہم نواؤں کا حلقہ صرف انہی کے خطوط کو پڑھے گا اور میرا جواب ان کے سامنے نہیں ہوگا، تو پوزیشن کیا پیدا ہوگی؟ مثلاً انہوں نے اپنے پہلے خط میں لکھا کہ

اگر آپ کسی ایسے اقتباس کی نشاندہی کریں جو آپ کی جانب غلط منسوب کیا گیا ہو۔ یا اقتباس ایسا ادھورا ہے کہ سیاق و سباق سے ہٹ کر کوئی مختلف مفہوم پیدا کرتا ہے......یا آپ کی کوئی ایسی شاذ عبارت ہو جو آپ کی کثیر التعداد تصانیف و مقالات میں پیش کر سکتے بالکل میل نہ کھاتی ہو...... تو اس پر یقیناً غور کیا جائے گا۔

اس کے بعد وہ میرا جواب تو شائع نہیں کراتے لیکن اخبارات میں اپنا یہ خط شائع کرا دیتے ہیں کہ

آپ اس قسم کی کوئی عبارت یا اقتباس پیش نہیں کر سکے۔

جن لوگوں کے سامنے صرف مفتی صاحب کے خطوط ہوں، اور ان کی درمیانی کڑی (میرا خط) نہ ہو، وہ جس نتیجہ تک پہنچیں گے وہ ظاہر ہے! یہی ان کی ٹیکنیک ہے۔ یعنی اپنے حلقہ کے سامنے حقیقت کو آنے ہی نہ دو۔ انہیں تاریکیوں کے پردوں میں رکھو تاکہ وہ دوسرے کی بات سننے ہی نہ پائیں۔ ان سے کہدو کہ وہ طلوعِ اسلام کبھی نہ پڑھیں کیونکہ اس سے ان کا ایمان خراب ہو جائے گا۔ اور اگر اس کے باوجود ان میں سے کوئی کسی طرح حقیقت سے باخبر ہو جائے تو اسے "شریعت" کا یہ مسئلہ سمجھا دو کہ

عملی زندگی کی بعض ضرورتیں ایسی ہیں جن کی خاطر جھوٹ کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ بعض حالات میں

اس کے وجوب تک کا فتوےٰ دیا گیا ہے

(سید ابو الاعلیٰ صاحب مودودی: ترجمان القرآن ۔ بابت مئی ۱۹۵۸ء)

اور اگر وہ اس پر بھی "سرکشی" سے باز نہ آئے، تو اس پر کفر و الحاد کا فتوےٰ لگا کر اسے مکتب سے باہر نکال دو۔

سودا بدماغش زد، از مدرسہ بیروں بہ

(۳) اس ٹیکنیک کے بعد، مفتی صاحب محترم اس حربے کو لے کر آگے بڑھتے ہیں جسے قرآن "یوسوس فی صدور الناس" سے تعبیر کرتا ہے۔ یعنی لوگوں کے دلوں میں وسوسے پیدا کرنا۔ فرماتے ہیں۔

اگر سو جگہ ایک شخص بالکل صحیح بات کہے اور دس بیس جگہ بالکل غلط اور کافرانہ عقائد کا اظہار کرے تو کیا محض یہ امر کہ اس نے متعدد بار صحیح بات بھی کہی تھی اس کو غلط تصورات رکھنے یا شائع کرنے کی ذمہ داری سے بری قرار دے گا؟ آخر مرزا غلام احمد آنجہانی نے بھی تو متعدد جگہ اپنے آپ کو غیر نبی قرار دیا ہے۔ صرف چند ہی مقامات ایسے ہیں جہاں اس نے نبوت کا دعویٰ پیش کیا ہے۔

میں نے اپنے جواب کو فتوےٰ کی صرف اس ایک شق تک محدود رکھا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ

میں خدا کے خارجی وجود سے منکر ہوں۔

اس کے متعلق میں نے، اپنے سابقہ خط میں، متعدد اقتباسات پیش کئے تھے۔ اب مفتی صاحب نے جو کچھ فرمایا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ یہ اقتباسات تو ٹھیک ہیں، لیکن دیگر مقامات پر تم نے جو کچھ لکھا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تم خدا کے خارجی وجود کا منکر ہو۔

میں مفتی صاحب کو۔ علمائے کرام کی اس جماعت کو جس نے میرے تمام لٹریچر کا پورے غور سے مطالعہ کیا ہے اور ان کے ساتھ ان ایک ہزار علماء کو جنہوں نے اس فتوےٰ پر دستخط کئے ہیں، چیلنج دیتا ہوں کہ وہ سب اکٹھے ہو جائیں وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۲/۲۳)۔ اور

میں نے آج تک جو کچھ لکھا ہے اس میں ایک مقام بھی ایسا دکھا دیں جس میں میں نے خدا کے خارجی وجود کا انکار کیا ہے۔

اگر آپ سچے ہیں اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ تو اس چیلنج کو قبول کیجئے۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (۲/۲۴)۔ اگر آپ ایسا نہ کر سکے ۔۔۔ اور میں دعوے سے کہتا ہوں کہ آپ ہرگز ایسا نہیں کر سکیں گے۔ تو خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل کی گرفت سے ڈریئے۔ اس قسم کی باتوں سے آپ

اپنے آپ کو فریب دے سکتے ہیں اور اپنے ہم نواؤں کو بھی دھوکے میں رکھ سکتے ہیں، لیکن خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل سے بچ کر کہاں جا سکتے ہیں۔۔۔۔ اے کاش! ان حضرات کا اس کے اس اٹل قانون پر یقین ہوتا۔ پھر یہ اس قسم کے حربوں سے کبھی کام نہ لیتے!

مفتی صاحب نے اپنے خط میں میرے اس فقرہ کو پھر دہرا دیا ہے کہ

خدا عبارت ہے ان صفاتِ عالیہ سے جنہیں انسان اپنے اندر منعکس کرنا چاہتا ہے۔

یہی وہ فقرہ ہے جس سے وہ ربزعم خویش) ثابت کرتے ہیں کہ میں (معاذ اللہ) خدا کی ذات کا منکر ہوں۔ اس سلسلہ میں میں اپنے سابقہ خط میں تفصیل سے لکھ چکا ہوں۔ لیکن ان سے کوئی پوچھے کہ جو شخص صفاتِ خداوندی کا قائل ہے وہ ذاتِ خداوندی کا منکر کیسے ہو سکتا ہے؟ صفات تو ہوتی ہی ذات کی ہیں۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص ذاتِ خداوندی کا قائل ہو لیکن اس کی صفات میں سے کسی ایک (یا بعض) صفات کا قائل نہ ہو (اگرچہ قرآن پر ایمان رکھنے والے کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ ان تمام صفات کو بھی مانے جن کا ذکر قرآن کریم نے کیا ہے)۔ لیکن یہ ممکن ہی نہیں کہ ایک شخص خدا کی کسی ایک صفت کا بھی قائل ہو اور اس کی ذات کو نہ مانے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص یہ تو مانے کہ زید سخی ہے۔ بہادر ہے۔ نیک دل ہے (وغیرہ وغیرہ) لیکن خود زید کے وجود سے انکار کر دے۔ یہ ممکن ہی نہیں۔ ذات کے بغیر صفات کا وجود ہی نہیں ہو سکتا۔

ان حضرات کے فہم و بصیرت کا تو یہ عالم ہے، اور دعوے اتنے بڑے بڑے ہیں!

(۴) اس کے بعد مفتی صاحب نے "فتویٰ" کے وہ فقرے نقل کر دیئے ہیں جن میں میں نے کہا ہے کہ "خدا اور رسول" کی اطاعت کا عملی مفہوم، اس اسلامی نظام کی اطاعت ہے جو دین کی اقامت کے لئے وجود میں آئے اس سلسلہ میں میں نے اپنے سب سے پہلے خط (مورخہ ۲۳-۲-۶۲ مطبوعہ طلوعِ اسلام بابت اپریل ۱۹۶۲ء صفحہ ۲۱) میں (جسے مفتی صاحب کے ہم نوا اخبارات نے شائع نہیں کیا) لکھا تھا۔

> (ب) اطاعتِ خدا اور رسول کے متعلق جو کچھ میں کہتا ہوں وہ صرف یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صورت یہ نہیں تھی کہ ہر شخص اپنے اپنے مفہوم کے مطابق خدا اور رسول کی اطاعت کر لیتا تھا۔ اس کی صحیح شکل یہ تھی کہ حضورؐ کے بعد جو خلافت علیٰ منہاج نبوت قائم ہوئی تھی اس سے پوچھا جاتا تھا کہ فلاں معاملہ میں خدا اور رسول کی اطاعت کس طرح کی جائے گی۔ جو فیصلہ وہاں سے ملتا اسے خدا اور رسول کی اطاعت سمجھا جاتا۔ اسی سے وحدتِ اُمت قائم تھی۔ جب خلافت باقی نہ رہی تو خدا اور رسول کی اطاعت انفرادی

طور پر ہونے لگی۔ اس سے امت میں افتراق پیدا ہوا۔ اُمّت میں دوبارہ وحدت پیدا کرنے کی صورت یہ ہے کہ پھر سے خلافت علیٰ منہاج نبوت قائم کی جائے۔ اور اُس کے فیصلوں کے مطابق خدا اور رسول کی اطاعت کی جائے۔ اسی خلافت کو بغرضِ اختصار، مرکزِ ملت یا اسلامی نظام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور میں اس کی بار بار وضاحت کر چکا ہوں میں نہ ہر نظامِ حکومت کو اسلامی نظام کہتا ہوں اور نہ اس کے فیصلوں کی اطاعت کو خدا اور رسول کی اطاعت۔ میرے نزدیک خلافت علیٰ منہاج نبوت کے علاوہ کوئی نظام اسلامی نہیں کہلا سکتا اور نہ اسے مرکزِ ملت قرار دیا جا سکتا ہے۔

کتاب "اسلامی نظام" میں (جس کے صفحہ ۱۰۶ سے مفتی صاحب نے ایک فقرہ نقل فرمایا ہے) آپ کو یہ عبارت ملیگی۔

قرآن کریم کی ان نصوص صریحہ سے یہ حقیقت واضح طور پر سامنے آگئی کہ "اللہ اور رسول" کی اطاعت سے مراد مرکزِ حکومت قرآن کی اطاعت ہے۔ وہ مرکز جو خدا کے احکام کو نافذ کرنے والا اور رسول اللہ کی امامت کبریٰ کو آگے چلانے والا ہوگا۔ اس اعتبار سے یہ مرکز "خدا و رسول" کا قائم مقام ہو جاتا ہے۔ (صفحہ ۱۰۲)

بالفاظِ دیگر، نبی اکرمؐ کی وفات کے بعد خلیفہ اول (حضرت ابوبکر صدیقؓ) کے فیصلوں کی اطاعت، اُمّت کے لئے خدا و رسول" کی اطاعت کے قائم مقام تھی۔ مفتی صاحب (اور ان کے ہم نوا "علماحضرات") کے نزدیک ایسا کہنے والا کافر ہے۔

مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ عقیدہ "ملّتِ اسلامیہ کے مسلمہ عقیدہ" کے خلاف ہے[1]۔

میں نے اپنی کتاب، معارف القرآن جلد چہارم، معراجِ انسانیت — اور دیگر مقامات میں قرآن کریم کی متعدد آیات پیش کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ "اللہ اور رسول" سے مراد، اسلامی نظامِ حکومت ہے۔ (مثلاً) سورۂ انفال کی پہلی آیت:-

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ (۸:۱)

لوگ تجھ سے مالِ غنیمت (انفال) کے متعلق پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ مالِ غنیمت "اللہ اور رسول" کا ہے۔

---

[1] یہ حضرات اپنے ہر عقیدہ کو "امت کا مسلمہ عقیدہ" کہہ کر پیش کرتے ہیں، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ (قرنِ اول کے بعد) کوئی ایک عقیدہ بھی ایسا نہیں جسے ساری اُمّت کا متفق علیہ مسلمہ عقیدہ کہہ کر پیش کیا جا سکے۔

میں نے لکھا ہے کہ اس میں "اللہ اور رسولؐ سے مراد اسلامی نظام حکومت ہے۔ اب دیکھئے کہ اس ضمن میں، خود ان حضرات کے مفسرین کیا کہتے ہیں۔ امام ابن جریر طبریؒ (جن کی تفسیر کو ام التفاسیر کہا جاتا ہے) "اللہ اور رسولؐ کی تفسیر میں مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

و اولی ھذہ الاقوال بالصواب فی معنی الانفال قول من قال ھی زیادات یزیدھا الامام بعض الجیش او جمیعھم

انفال کے معانی کے متعلق ان تمام اقوال میں سے قرین صواب ان لوگوں کا قول ہے جنہوں نے کہا ہے کہ یہ وہ اضافے ہیں جو امام وقت بعض یا کل فوج کے لئے کرتا ہے۔

دیکھئے۔ یہاں امام طبریؒ نے "اللہ اور رسول" کی تفسیر "امام وقت" سے کی ہے۔

مولانا ابو الکلام آزاد (مرحوم) اس آیت کے متعلق (ترجمان القرآن میں) لکھتے ہیں۔

مال غنیمت جو لڑائی میں ہاتھ آئے وہ اللہ اور اس کے رسول کا ہے۔ یعنی یہ بات نہیں ہونی چاہیئے کہ جس شخص کے ہاتھ میں پڑ گیا وہ اس کا ہو گیا۔ بلکہ سب کچھ امام کے سامنے پیش کرنا چاہیئے۔ وہ اسے جماعت میں تقسیم کرے گا۔

ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں۔

لیکن قرآن نے یہ حکم دے کر کہ مال غنیمت میں جو کچھ بھی ہاتھ آئے، حکومت (یعنی اسٹیٹ) کا ہے، نہ کہ لوٹنے والوں کا، سپاہیوں کی ذاتی طمع و حرص کے ابھرنے کی راہ روک دی۔

دیکھئے: یہاں انہوں نے "اللہ اور رسول" کے معنی حکومت (یعنی اسٹیٹ) کئے ہیں۔

سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب، اپنی تفسیر (تفہیم القرآن۔ جلد دوم) میں، اس آیت کے نیچے لکھتے ہیں۔

قرآن نے انفال کو "اللہ اور رسول" کا مال قرار دے کر پہلے تو یہ قاعدہ مقرر کر دیا کہ تمام مال غنیمت لاکر بے کم و کاست امام کے سامنے رکھ دیا جائے۔

(ب) اسی سورہ میں، ذرا آگے چل کر کہا گیا ہے۔

وَاعْلَمُوٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى ...... (۸/۴۱)

اور جان رکھو کہ جو کچھ تمہیں مال غنیمت میں ملے، اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے۔ رسول کیلئے۔ قرابت داروں کے لئے.... ہے۔

مولانا آزاد (مرحوم) اس آیت کے نیچے لکھتے ہیں

سورت کے ابتدا میں فرمایا تھا کہ مالِ غنیمت "اللہ اور اس کے رسول" کا ہے۔ یعنی حکومت کا ہے۔ اب آیت (۴۱) میں اس کی تقسیم کا طریقہ بتلا دیا۔ "اللہ اور اس کے رسول" کے حصے سے مقصود یہ ہے کہ دین و ملت کے مصالح کے لئے ایک خاص رقم رکھی جائے۔ اس میں سے پیغمبر اسلام کو جب تک زندہ رہیں، ضروری مصارف ملیں۔ ان کے بعد ائمہ مسلمین کو۔

مودودی صاحب اس آیت کے تابع لکھتے ہیں کہ "اس تقسیم میں اللہ اور رسول کا حصہ ایک ہی ہے۔ اور اس سے مقصود یہ ہے کہ خمس کا ایک جزء اعلاءِ کلمۃ اللہ اور اقامتِ دینِ حق کے کام میں صرف کیا جائے" (تفہیم القرآن۔ جلد دوم) جہاں تک لذی القربیٰ (رشتہ داروں) کا تعلق ہے، وہ لکھتے ہیں کہ ایک گروہ کی رائے ہے کہ

حضورؐ کے بعد یہ حصہ اس شخص کے اقربا کو پہنچے گا جو حضورؐ کی جگہ خلافت کی خدمات سرانجام دے۔ (ایضاً)

کیا مفتی صاحب فرمائیں گے کہ ان حضرات کے متعلق ان کا فتویٰ کیا ہے، کیونکہ یہ حرفاً حرفاً وہی کچھ کہہ رہے ہیں جو اس "کافر" نے کہا ہے!

(ب) میں نے دوسری آیت سورۃ المائدہ کی لکھی ہے۔ یعنی

إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا۟ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ فَسَادًا .... (۵/۳۳)

ان لوگوں کی سزا، جو "اللہ اور اس کے رسول" کے خلاف جنگ کرتے ہیں، اور ملک میں فساد پیدا کرتے ہیں یہ ہے کہ.......

اس سلسلہ میں میں نے لکھا تھا کہ "اللہ اور اس کے رسول" کے خلاف جنگ کرنے سے مراد، اسلامی نظام (حکومت) کے خلاف جنگ کرنا ہے اور سزا کے معاملہ میں حکومت کو اختیار دیا گیا ہے۔ امام رازیؒ نے اس آیت کے تحت امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

قال ابوحنیفہ اذا قتل و اخذ المال فالامام مخیر بین ثلاثۃ اشیاء

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ اگر باغی یا ڈاکو نے قتل بھی کیا ہے اور مال بھی لیا ہے تو امام کو اختیار ہے کہ تینوں سزاؤں میں سے جو سزا چاہے اس کو دے۔

اسی آیت کی تفسیر میں، علامہ جلال الدین سیوطیؒ الدرالمنثور میں یہ روایت درج کرتے ہیں۔

عن سعید بن المسیب والحسن والضحاک قالوا الامام مخیر فی المحارب یضع بہ مایشاء

سعید ابن مسیب، حسن بصری اور ضحاک (علیہم الرحمۃ) نے کہا ہے کہ محارب کے معاملہ میں امام کو اختیار ہے کہ جو چاہے کرے۔

نواب صدیق حسن خان مرحوم، فتح البیان میں لکھتے ہیں۔

قال ابن عباس، سعید بن المسیب ومجاھد۔ وعطاء۔ والحسن البصری و ابراھیم النخعی۔ والضحاک۔ وابو ثور من شھر السلاح فی قبۃ الاسلام واخاف السبیل ثم ظفر بہ وقدر علیہ فامام المسلمین فیہ الخیار

حضرت ابن عباس، سعید ابن المسیب، مجاہد۔ عطاء، حسن البصری۔ ابراہیم نخعی۔ ضحاک اور ابو ثور (علیہم الرحمۃ) نے کہا ہے کہ جس نے اسلامی محروسہ میں ہتھیار اٹھایا اور راستوں کو پرخطر کر دیا پھر وہ گرفت میں آیا اور پکڑا گیا۔ اس کے بارے میں مسلمانوں کے امام کو اختیار ہے (جو سزا چاہے دے)

سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب، اس آیت کے تحت، اپنی تفسیر (تفہیم القرآن جلد اول) میں لکھتے ہیں کہ

زمین سے مراد یہاں وہ ملک یا علاقہ ہے جس میں امن و انتظام قائم کرنے کی ذمہ داری اسلامی حکومت نے لے رکھی ہو۔ اور خدا و رسول سے لڑنے کا مطلب اس نظامِ صالح کے خلاف جنگ کرنا ہے جو اسلام کی حکومت نے ملک میں قائم کر رکھا ہو......... ایسا نظام جب کسی ملک میں قائم ہو جائے تو اس کو خراب کرنے کی سعی کرنا، قطع نظر اس کے کہ وہ چھوٹے پیمانے پر قتل و غارت اور رہزنی اور ڈکیتی کی حد تک ہو، یا بڑے پیمانے پر اس صالح نظام کو الٹنے اور اس کی جگہ کوئی فاسد نظام قائم کر دینے کے لئے ہو، دراصل خدا اور اس کے رسول کے خلاف جنگ ہے۔......... یہ مختلف سزائیں برسبیل اجمال بیان کر دی ہیں تاکہ قاضی یا امامِ وقت اپنے اجتہاد سے ہر مجرم کو اس کے جرم کی نوعیت کے مطابق سزا دے۔ اصل مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ کسی شخص کا اسلامی حکومت کے اندر رہتے ہوئے اسلامی نظام کو الٹنے کی کوشش کرنا بدترین جرم ہے اور اسے ان انتہائی سزاؤں میں سے کوئی سزا دی جا سکتی ہے۔

کیا مفتی صاحب فرمائیں گے کہ ان حضرات کے متعلق ان کا کیا ارشاد ہے ——— یعنی ان حضرات کے متعلق جن میں مودودی صاحب

سے لے کر حضرت ابن عباسؓ جیسے صحابی تک شامل ہیں — یہ بھی "اللہ اور رسول" سے مراد "اسلامی حکومت" لیتے ہیں! کیجئے ہمت، اور پڑھائیے اس فتویٰ کی نوک نشتر کو ذرا آگے! اور پھر ذرا ہٹ دھرمی اور سخن پروری کے جذبے سے ہٹ کر غور کیجئے کہ خلفت سے لے کر سلف تک اُمتِ محمدیہ کے نزدیک "اللہ اور رسول" سے وہی مفہوم ہے جسے میں نے اپنی تحریروں میں پیش کیا ہے یا کچھ اور ہے؟

(۵) یہ ہیں ذات باری تعالیٰ اور "خدا و رسول" کے متعلق میرے عقائد جن کی بنا پر ان حضرات نے کفر کا فتویٰ صادر کیا ہے۔ میں نے اپنے سابقہ خط میں لکھا تھا کہ اگر مفتی صاحب اس پہلے نکتہ کے متعلق اعترافِ حقیقت کر لیں تو میں فتویٰ کی باقی ماندہ شقوں کے متعلق بھی عرض کروں گا کہ ان میں بھی، اسی طرح، کس قدر کتمان و تلبیس سے کام لیا گیا ہے۔ لیکن مفتی صاحب نے پہلی ہی منزل میں جس ذہنیت کا ثبوت دیا ہے وہ قارئین کے سامنے ہے۔ اگر وہ سچ سننے کی تاب رکھتے اور یوں راہِ فرار اختیار نہ کرتے تو میں، انہیں بتاتا کہ "حجیت حدیث، سنتِ رسول اور اطاعتِ رسول" کے متعلق جو کچھ میرے خلاف کہا جاتا ہے اس کی حقیقت کیا ہے اور جو کچھ میں فی الواقعہ کہتا ہوں قرآن کریم اس کی کس طرح تائید کرتا ہے، اور اس باب میں خود ان حضرات کے عقائد کیا ہیں؟ اُس وقت انہیں معلوم ہو جاتا کہ شیشے کے مکان میں بیٹھ کر دوسروں پر پتھر پھینکنا کس قدر خطرناک ہوتا ہے؛ لیکن اس خطرہ کا احساس ہی تو ہے جس نے انہیں یوں فرار کی راہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیا ہے!

۶ — مفتی صاحب نے حسبِ عادت، عوام کو اشتعال دلانے کے لئے پھر اس فقرہ کو دہرایا ہے کہ میں (معاذ اللہ) "سنت رسول اللہ کے سرمایہ کو عجمی سازش" کہتا ہوں۔ حالانکہ اگر انہیں ذرا بھی اپنی ذمہ داری کا احساس ہوتا تو وہ میرے پہلے خط کا وہ فقرہ دہرا دیتے جس میں میں نے واضح کیا تھا کہ

> میں صرف ان وضعی روایات کو "عجمی سازش" سے تعبیر کرتا ہوں جن میں غیر اسلامی معتقدات و رسومات کو اسلام کے لباس میں پیش کیا گیا ہے۔

لیکن ایسا کرنے سے ان کا رچایا ہوا سارا ڈھونگ ہی ختم ہو جاتا!

۷ — مفتی صاحب نے اپنے "مشغلہ" "کافر گری" کی خفت کو مٹانے کے لئے، میرے ایک مضمون میں سے یہ فقرہ نقل کیا ہے کہ

> تیرہ سو سال میں مسلمانوں کا سارا زور اسی میں صرف ہوتا رہا کہ کسی نہ کسی طرح اسلام کو قرآن سے پہلے زمانے کے مذہب میں تبدیل کر دیا جائے ...... الخ

اور اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ

جس میں آپ نے تیرہ سو سال کی پوری امت محمدیہؐ کے اربوں مسلمانوں کو جن میں صلحاء۔ اولیاء اور اتقیا بھی لاکھوں کی تعداد میں شامل ہیں، یک قلم اسلام سے خارج۔ قرآنی دین سے بے تعلق اور جاہلیت کے مذہب کا پیرو قرار دے دیا ہے۔

قرآن کریم میں ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ فرعون کی طرف گئے، اور اس سے کہا کہ بنی اسرائیل کو اپنی غلامی اور محکومی کے شکنجے سے آزاد کر دے، تو اس نے یہ سوچ کر کہ اس شخص سے اس طرح عہدہ برا ہونا مشکل ہے، ایک گہری تدبیر سوچی۔ اس کے گرد و پیش مملکت کے اعیان و ارکان بیٹھے تھے۔ اسے معلوم تھا کہ ان کے آبا و اجداد کے متعلق حضرت موسیٰؑ کا خیال کیا ہے۔ اس نے اصل سوال سے ہٹ کر حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَىٰ (۲۰/۵۱)۔ یعنی یہ بتاؤ کہ ہمارے جو بزرگ پہلے گزر چکے ہیں، ان کا کیا حال ہوگا؟ اس کی چال یہ تھی کہ حضرت موسیٰؑ نے جو نہی کچھ کہا وہ اہلِ دربار کو یہ کہہ کر بھڑکا دے گا کہ دیکھو! یہ شخص تمہارے بزرگوں کے شان میں کیا کہتا ہے!

مفتی صاحب نے اُمت کے لاکھوں "صلحا۔ اولیاء اور اتقیاء" کی طرف اشارہ کر کے عوام کو اسی طرح بھڑکانے کی کوشش کی ہے۔ میں مفتی صاحب محترم کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ

(۱) میں نے آج تک، امت کے ان لاکھوں نفوس میں سے کسی کے خلاف کبھی سوء ادبی کا کلمہ تک نہیں کہا ان کے نام ہمیشہ تکریمی الفاظ کے ساتھ لیتا ہوں۔

(۲) اگر ان میں سے کسی کی طرف کوئی ایسی بات منسوب کی جاتی ہے جو قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف ہو، تو میں کہتا ہوں کہ ظن غالب یہی ہے کہ انہوں نے ایسا نہیں کہا ہوگا۔ یہ بات ان کی طرف غلط منسوب ہے۔

(۳) اور اگر کوئی شخص اس پر اصرار کرتا ہے کہ نہیں، وہ بات انہوں نے ہی کہی تھی، تو میں یہ کہہ کر بات ختم کر دیتا ہوں کہ آپ انہیں ایسا سمجھتے ہیں تو آپ مالک ہیں۔ میں انہیں ایسا نہیں سمجھتا۔ اور اگر آپ سنداً ایسا کہتے ہیں تو میں اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ ان سے سہو ہو گیا۔ ہمارے پاس صحیح اور غلط کی کسوٹی خدا کی کتاب موجود ہے۔

یہ ہے میرا مسلک اسلافِ اُمت کے متعلق

(ب)۔ میرے جس مضمون سے مندرجہ بالا اقتباس لیا گیا ہے، اس میں میں نے بہت سے ایسے نظریات کو پیش کیا ہے جو اس وقت ہم میں مروّج ہیں، لیکن جو قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف ہیں۔ اس سلسلہ کی آخری شق یہ ہے۔

قرآن کے ساتھ تشکیلِ اُمت کے بنیادی اصول بھی بدل گئے۔ دنیا میں قومیں، درحقیقت قبائل ہی کی پھیلی ہوئی شکلیں تھیں، نسل اور وطن کے اشتراک سے بنتی چلی آ رہی تھیں۔ قرآن نے کہا کہ امت کی تشکیل، اشتراکِ ایمان (IDEOLOGY) کی بناء پر ہوتی ہے

...... انسانیت کی تاریخ میں یہ بہت بڑا انقلاب تھا۔

(سلیم کے نام - ۱۹۵۳ء ایڈیشن - صفحہ ۲۵۱)

اس کے بعد لکھا تھا۔

تم نے دیکھا سلیم! نبوت محمدیہ سے کس طرح انسان کی تاریخ دو حصوں میں بٹ چکی ہے اور قرآن کے ساتھ کس طرح انسانیت ایک نئے دور میں داخل ہوئی ہے۔ لیکن اس تیرہ سو سال میں مسلمانوں کا سارا زور اس میں صرف ہوتا رہا ہے کہ کسی نہ کسی طرح اسلام کو قرآن سے پہلے والے کے "مذہب" میں تبدیل کر دیا جائے۔ چنانچہ وہ اس کوشش میں کامیاب ہو گئے اور آج جو اسلام دنیا میں مروّج ہے وہ زمانۂ قبل از قرآن کا مذہب ہو تو ہو، قرآنی دین سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔

میں محترم مفتی صاحب سے باادب دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ نسل اور وطن کی بنا پر قومیت کی تشکیل کا نظریہ، قرآنی دین کا نظریہ ہے جسے محمد رسول اللہ نے پیش کیا تھا، یا زمانہ قبل از قرآن کے عہد جاہلیت کا نظریہ ہے؟

مجھے اس کا احساس ہے کہ جہاں تک "وطنیت" کا تعلق ہے، مفتی صاحب کو اس سوال کا جواب دینے میں گھبراہٹ ہو گی کیونکہ دیوبند کی بزرگ ہستی، مولانا حسین احمد مدنی مرحوم، نے یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ "قومیں اوطان سے بنتی ہیں۔" اور اسی پر علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا کہ

چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است

لیکن اگر مفتی صاحب، پاکستان کے تصور کو دل سے اپنا چکے ہیں، تو انہیں یہ کہنے میں باک نہیں ہونا چاہیئے کہ نسل اور وطن کے اشتراک پر قومیت کی تشکیل کا نظریہ، زمانۂ جاہلیت کا تصور تھا۔ یہی میں نے کہا ہے۔

(ج)۔ یہ بات کہ ہمارے مروجہ اسلام میں، بکثرت عقائد و رسومات عہد جاہلیت کے شامل ہو گئے ہیں، میں نے ہی نہیں کہی۔ سنیئے کہ اس باب میں خود انہی میں سے ایک صاحب کی تحقیق کے نتائج کیا ہیں؟ وہ اسلامی تاریخ کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ (حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد)

آخر کار خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا دور ختم ہو گیا۔ ملک عضوض نے اس کی جگہ لے لی اور اس طرح حکومت کی اساس، اسلام کے بجائے پھر جاہلیت پر قائم ہو گئی۔ حکومت پر قبضہ کرنے کے بعد، جاہلیت نے مرض سرطان کی طرح اجتماعی زندگی میں اپنے ریشے بتدریج پھیلانے شروع کر دیئے۔۔۔۔ سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ جاہلیت بے نقاب ہو کر سامنے نہ آتی تھی

بلکہ "مسلمان" بن کر آئی تھی۔ کھلے دہریئے۔ یا مشرکین و کفار سامنے ہوتے تو شاید مقابلہ آسان ہوتا۔ مگر وہاں تو آگے آگے توحید کا اقرار، رسالت کا اقرار، صوم و صلوٰۃ پر عمل، قرآن و حدیث سے استشہاد تھا اور اس کے پیچھے جاہلیت اپنا کام کر رہی تھی۔

اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ سن لیجئے۔

جاہلی امارت کی مسند اور جاہلی راہنمائی پر "مسلمان" کا جلوہ افروز ہونا۔ جاہلی تعلیم کے مدرسے میں "مسلمان" کا معلم ہونا۔ جاہلیت کے سجادہ پر "مسلمان" کا مرشد بن کر بیٹھنا، وہ زبردست دھوکا ہے جس کے فریب میں آنے سے کم ہی لوگ بچ سکتے ہیں۔

سُن رہے ہیں آپ؟ آگے چلئے۔

جاہلیت خالصہ نے حکومت اور دولت پر تسلط جمایا۔ نام خلافت کا تھا اور اصل میں وہی بادشاہی تھی جس کو مٹانے کے لئے اسلام آیا تھا......

جاہلیت مشرکانہ نے عوام پر حملہ کیا اور توحید کے راستے سے ہٹا کر ان کی ضلالت کی بے شمار راہوں میں بھٹکا دیا۔ ایک صریح بت پرستی تو نہ ہو سکی، باقی کوئی قسم شرک کی ایسی نہ رہی جس نے "مسلمانوں" میں رواج نہ پایا ہو۔ پرانی جاہلی قوموں کے جو لوگ اسلام میں داخل ہوئے تھے وہ اپنے ساتھ بہت سے مشرکانہ تصورات لئے چلے آئے اور یہاں ان کو صرف اس قدر تکلیف کرنی پڑی کہ پرانے معبودوں کی جگہ بزرگانِ اسلام میں سے کچھ معبود تلاش کریں۔ پرانے معبدوں کی جگہ مقابر اولیاء سے کام لیں اور پرانی عبادات کی رسموں کو بدل کر نئی رسمیں ایجاد کریں۔

اب ذرا جگر تھام کر بیٹھئے اور سنئے۔

اس کام میں دنیا پرست علماء نے ان کی بڑی مدد کی اور وہ بہت سی مشکلات ان کے راستے سے دور کر دیں جو شرک کو اسلام کے اندر نصب کرنے میں پیش آ سکتی تھیں۔ انہوں نے بڑی دیدہ ریزی سے آیات اور احادیث کو توڑ مروڑ کر، اسلام میں اولیاء پرستی اور قبر پرستی کی جگہ نکالی۔ مشرکانہ اعمال کے۔ نئے اسلام کی اصطلاحی زبان میں سے الفاظ بہم پہنچائے اور اس نئی شریعت کے لئے رسموں کی ایسی صورتیں تجویز کیں کہ شرکِ جلی کی تعریف میں نہ آ سکیں۔ اس فنی امداد کے بغیر، اسلام کے دائرہ میں شرک بے چارہ کہاں بار پا سکتا تھا؟

اس کے بعد سنئے کہ کیا ہوا؟

> جاہلیتِ راہبانہ نے علماء، مشائخ، زہاد اور پاکباز لوگوں پر حملہ کیا اور ان میں وہ خرابیاں پھیلانی شروع کیں جن کی طرف میں اس سے پہلے اشارہ کر آیا ہوں۔

اتنا ہی کافی ہے یا کچھ اور بھی پیش کیا جائے؟ یہ "کافر پرویز" کے خیالات نہیں، یہ آپ کے طبقۂ علماء کے ایک جید نمائندہ سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کا تجزیہ ہے جسے انہوں نے "تجدید و احیاءِ دین" کے عنوان سے آج سے قریب بیس اکیس سال پہلے پیش کیا تھا۔ (ملاحظہ ہو ترجمان القرآن - بابت دسمبر ۱۹۵۱ء و جنوری ۱۹۵۲ء، صفحات ۲۰۵-۲۰۳)

(د) جس تعلیم سے آپ حضرات کو "علماء" ہونے کی سند مل جاتی ہے۔ اس میں کتنا حصہ اسلام کا اور کتنا غیر اسلامی تعلیمات کا ہوتا ہے، اس کے متعلق سنئے کہ سرخیلِ طبقۂ علماء، مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم، کس نتیجہ پر پہنچے تھے وہ اپنی مشہور تصنیف تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

> مدتوں غور کرنے کے بعد یہ حقیقت کھلی کہ امتِ اسلامیہ کے تمام مفاسد و مصائب کی اصلی جڑ دو ہی چیزیں ہیں جن کو یونانیت اور عجمیت سے تعبیر کرنا چاہیئے۔ سارے برگ و بار و ثمراتِ فساد کا انہی سے ظہور و نمود ہوا۔ آج ہمارے مدارس میں جو علوم باسمِ اصل و اساسِ علومِ شرعیہ پڑھے پڑھائے جاتے ہیں، اگر کسی صاحبِ حکمت کی نظرِ کیمیاوی ان کی تحلیل و تفرید کرے تو کھل جائے کہ کس قدر حصہ ان کا شریعتِ اصلیہ اور دینِ الخالص سے مرکب ہے اور کس قدر اس فتنۂ عالم آشوب، یونانیت اور عجمیت سے۔ کوئی شے اس سے نہ بچی حتیٰ کہ علمِ علومِ الہیہ و بلاغت و بیان۔ اور عملاً جزئیاتِ اعمال و رسوم و ہیئاتِ معاشرت وغیر ذالک۔ جب یہ حال علومِ شرعیہ بلکہ نام نہاد اصولیہ کا ہے، تو پھر ان اساطیر و اوہام کا کیا پوچھنا جن کو بہ لقبِ شریعت "معقولات" پکارا جاتا ہے۔

(ر) محترم مفتی صاحب کو اس پر بہت غصہ آگیا ہے کہ میں نے (معاذ اللہ) اولیاء و صلحائے امت کی شان میں (ان کے عائد کردہ بے بنیاد الزام کے مطابق) سوءِ ادبی کی ہے۔ اگرچہ آپ عرض معاف ہو تو میں جناب محترم سے ایک چھوٹی سی بات دریافت کر دوں؟ آپ نے بڑے فخر سے لکھا ہے کہ میرے خلاف فتویٰ عائد کرنے والوں میں "ہر مکتبِ فکر کے علمائے دین۔ دیوبندی۔ بریلوی۔ اہلحدیث۔ سنی و شیعہ" سب شامل ہیں۔ آپ ان میں سے سب سے پہلے، دو بڑے فرقوں ——— شیعہ اور سنی ——— کو لیجئے۔

(۱) شیعہ حضرات، خلفائے راشدینؓ میں سے پہلے تین خلفاء کے متعلق، صحابہ کبارؓ میں سے باستثنائے چند

سب کے متعلق۔ اور اس زمانے سے لے کر آج تک کے تمام سُنّی مسلمانوں کے متعلق، جو عقائد رکھتے ہیں، وہ آپ کے علم میں ہیں؛ میں انہیں دُہرانا نہیں چاہتا۔ ان عقائد کی رُو سے؛ یہاں سے لے کر وہاں تک، پوری کی پوری (غیر شیعہ) اُمّت اور اس کے اولیاء، صلحاء، اتقیاء، حتیٰ کہ صحابہ کبارؓ کی جو پوزیشن قائم ہوتی ہے، وہ ظاہر ہے۔

(۲) دوسری طرف، ان لوگوں کے متعلق، جو خلافت حضرت صدیق اکبرؓ کو برحق نہیں مانتے، سنّیوں کا جو فیصلہ ہے وہ بھی آپ کے علم میں ہے۔ اس فیصلہ کی رُو سے یہاں سے لے کر وہاں تک، شیعہ حضرات اور ان کے ائمہ کبارؒ کی جو پوزیشن قائم ہوتی ہے وہ ظاہر ہے

(۳) خود سنّیوں میں سے غیر مقلد (اہلِ حدیث) آپ مقلدین کے متعلق جو عقیدہ رکھتے ہیں وہ بھی آپ کے علم میں ہے۔ اس عقیدہ کی رُو سے اُمّت کے تمام مقلد مسلمانوں اور ائمہ فقہ (بشمول امام اعظم ابوحنیفہؒ) جس مقام میں کھڑے ہو جاتے ہیں، اس کا بھی آپ کو علم ہے۔

(۴) اور مقلدین، غیر مقلدوں کی نسبت جو عقیدہ رکھتے ہیں، اس کی رُو سے پوری اُمّت کے اہلحدیث حضرات مع ان کے ائمہ کرامؒ کے جس جگہ پہنچا دیے جاتے ہیں، اسے آپ بخوبی جانتے ہیں۔

(۵) مقلدین میں سے، دیوبندی حضرات، بریلوی حضرات کے متعلق۔ اور بریلوی حضرات دیوبندی حضرات کے متعلق جو عقیدہ رکھتے ہیں اس کا بھی آپ کو علم ہے۔ اس عقیدہ کی رُو سے؛ ان دونوں جماعتوں کے اسلافؒ جس صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں اس کے متعلق (کم از کم مجھے تو) لب کشائی کی جرأت نہیں ہو سکتی۔

یہ وہ حضرات ہیں جن کے برملا عقائد کی رُو سے، یہاں سے وہاں تک، تمام اُمّت بہ حیثیت مجموعی دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتی ہے —— اس پر ان تمام فرقوں کے ایک دوسرے کے خلاف فتاویٰ شاہد ہیں —— اور اس میں اُمّت کے مختلف فرقوں کے تمام اولیاء، صلحاء، اتقیاء —— حتیٰ کہ صحابہ کبارؓ تک بھی آ جاتے ہیں ——

یہ تمام حضرات، آپ کے نزدیک نہ صرف مسلمان ہیں، بلکہ "علمائے دین" کی فہرست میں شامل اور دوسروں کے کفر و اسلام کا فیصلہ کرنے کے مجاز۔ لیکن جو شخص صرف اتنا کہتا ہے کہ قرنِ اول کے بعد مسلمانوں نے اسلام میں وہ باتیں داخل کر لیں، جنہیں مٹانے کے لیے اسلام آیا تھا، وہ آپ کے نزدیک ملحد، بے دین اور کافر! کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ وہ کونسی مصلحت ہے جس کے پیشِ نظر آپ کی حمیت دینی ان لوگوں کے خلاف تو جوش میں نہیں آتی جو (اپنے سوا) اُمّت کے تمام اربوں مسلمانوں کو، مع ان کے جملہ اسلاف کرامؒ کے (معاذ اللہ، معاذ اللہ) کافر اور مرتد قرار دیتے ہیں، اور اگر اس کا مظاہرہ ہوتا ہے تو صرف پرویز کے خلاف؛ یہ کیوں ہے کہ

لاد ساغر گیر و نرگس مست، و بر ما نام فسق!

(س) لیکن دوسروں کی باتیں چھوڑ کر قبلہ مفتی صاحب خود اپنی کیفیت پر کیوں نہ غور فرمائیں؟ آپ کا یہ عقیدہ ہے ناں کہ مسلمانوں میں تہتّر فرقے ہوں گے، ان میں سے ایک فرقہ حق پر ہوگا - باقی سب گمراہ اور جہنمی ہوں گے۔ اب ظاہر ہے کہ آپ کے نزدیک ناجی فرقہ حنفیہ دیوبندی ہی ہو سکتا ہے - اب آپ فرمائیے کہ اُس ایک فرقہ کے علاوہ جسے آپ ناجی تصور کرتے ہیں، امت میں، گذشتہ تیرہ سو سال میں جس قدر مسلمان گزرے ہیں اور وہ بزرگ جنہیں وہ اولیاء۔ اصلحا اور اتقیا مانتے ہیں، رسول اللہ کے لائے ہوئے اسلام پر چلتے یا کسی اور طریقہ کے متبع؟ ظاہر ہے کہ آپ انہیں کسی اور دین کے متبع مانتے ہیں، جبھی تو انہیں گمراہ اور جہنمی قرار دیتے ہیں۔ سو جس شخص کی اپنی حالت یہ ہو کہ وہ اپنے فرقے کے علاوہ، تمام مسلمانوں کو جہنمی سمجھتا ہو، اُسے یہ کیسے زیب دیتا ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کو مطعون کرے جو یہ کہتا ہو کہ اسلام میں بہت سی چیزیں خلافِ اسلام داخل ہو گئی ہیں؟

اگر آپ میں سچ سننے کی تاب ہوتی تو میں آپ کو بتاتا کہ جو باتیں آج ہم میں اسلام کے نام سے مروّج ہیں، ان کا کتنا حصہ اسلامی ہے اور کتنا غیر اسلامی؛ اور وہ غیر اسلامی حصہ کہاں کہاں سے آیا اور کس طرح اسلام میں داخل ہو گیا - لیکن آپ اسے کس طرح سُن سکتے ہیں؟ اپنے سامنے اپنا مکان ڈھیتے کون دیکھ سکتا ہے؟ اس کیلئے

چیتے کا جگر چاہیئے شاہیں کا تجسس

(۸) — مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ

> ایک فرد "پرویز صاحب" کی تکفیر سے تو آپ کے نزدیک امت میں زلزلہ آگیا اور ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ گیا مگر پوری امت کی تکفیر و تفسیق سے اسلام اور امتِ اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

سب سے پہلے تو یہ گذارش ہے کہ آپ کا یہ فتویٰ ایک فرد "پرویز صاحب" کے خلاف نہیں، ان تمام لاکھوں مسلمانوں کے خلاف ہے جو اسی قسم کے خیالات رکھتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ آپ حضرات بیشک اپنے ارادت مندوں کے حلقہ میں یہی سمجھتے ہوں گے کہ یہ ایک لرزہ انگیز کارنامہ ہے جو آپ حضرات کی طرف سے ظہور میں آیا ہے۔ لیکن ان حلقوں سے باہر نکل کر سنئے تو سہی کہ —

کہتی ہے تم کو خلقِ خدا غائبانہ کیا؟

میں نے اس سلسلہ میں جو کچھ کہا ہے، وہ اس لئے نہیں کہا کہ یہ فتویٰ میرے خلاف لگایا گیا ہے۔ اگر آپ کسی اور کے خلاف بھی یہ حرکت کرتے تو اس وقت بھی میرا ردِّعمل یہی ہوتا بلکہ شاید اس سے بھی زیادہ شدید (اس لئے کہ اس وقت میری اپنی ذات کا سوال درمیان میں نہ آتا)۔ جو چیز میرے لئے وجہ جگر سوزی ہے وہ یہ ہے کہ آپ حضرات کی اس قسم کی حرکات سے،

امت بیچاری غیروں کی نظروں میں اضحوکہ بن جاتی ہے۔ آپ جس مقام پر کھڑے اس قسم کے مشغلوں میں مصروف ہیں، دوسری قومیں اسے صدیوں پیچھے چھوڑ آئی ہیں۔ اس سلسلہ میں، میں آپ کی توجہ مودودی صاحب کے ان الفاظ کی طرف بطور مبذول کرانا چاہتا ہوں جنہیں میں نے اپنے سابقہ خط کے اخیر پر درج کیا تھا۔ آپ ان الفاظ پر غور کیجئے اور سوچئے کہ اس قسم کی حرکات نے آپ حضرات کو اور آپ کی وجہ سے سارے مسلمانوں کو کس مقام پر پہنچا دیا ہے۔ آپ حضرات (یعنی مختلف فرقوں کے "علمائے کرام") نے ایک ایک کرکے ساری امت کو کافر قرار دے رکھا ہے اور آپ کی طرف سے شائع کردہ فتووں کی رو سے، روئے زمین پر ایک بھی مسلمان باقی نہیں رہتا۔۔۔ مع ان تمام علمائے کرام کے جنہوں نے موجودہ فتویٰ شائع کیا ہے! کیا یہ امر موجب ہزار تاسف نہیں! لیکن موجب تاسف تو اس کے لئے ہو جو سینے میں ملت کے لئے قلب حساس رکھتا ہو!

(۹) آخر میں محترم مفتی صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ

> آپ کے مکتوب کے فقرہ ۸ میں جو لب ولہجہ اختیار کیا گیا ہے۔ جس سطح پر آکر آپ نے گفتگو شروع کی ہے۔ اور جو زبان بولنا اختیار کیا ہے، اس کے پیش نظر اس رجحان کو مزید تقویت ہوئی کہ اس جواب کو اپنی جانب سے آخری تصور کروں اور آپ سے درخواست کروں کہ مجھے مزید مراسلت کی زحمت گوارا نہ کریں۔ نہ مجھ سے آیندہ کسی مراسلت کے جواب کی توقع کریں۔

میرا سابقہ خط گذشتہ صفحات میں موجود ہے۔ قارئین اس کے پیراگراف ۸ کا بغور مطالعہ فرمائیں۔ اور فیصلہ کریں کہ کیا اس میں کوئی بات ایسی ہے جس سے وہ اثر لیا جا سکے جس کا اظہار مفتی صاحب نے اوپر فرمایا ہے؟ اگر محترم مفتی صاحب اس فرار کے لئے کوئی اور وجہ بیان کر دیتے تو شاید کسی حد تک بات بن جاتی۔ جو کچھ انہوں نے فرمایا ہے اس سے انہوں نے ارباب بصیرت کی نگاہوں میں اپنی پوزیشن کو بہت گرا لیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مشیر اچھے نہیں ہیں۔

اگر مفتی صاحب نے لب ولہجہ کی سختی اور گفتگو کی سطح کا کچھ اندازہ کرنا ہو تو وہ کسی وقت اپنے شائع کردہ فتویٰ کو ٹھنڈے دل سے پڑھیں اور پھر دیکھیں کہ کوئی گالی ایسی ہے جو اس میں استعمال نہ کی گئی ہو؟ اور یہ چیز کچھ غیر متوقع نہیں۔ اس لئے کہ، خود انہی کے ایک نمایندہ کا فیصلہ ہے کہ

> باستثنائے چند اس طبقہ (علماء) کے سواد اعظم کا جو حال ہے اسے بیان کرنا گویا اپنی ٹانگ کھولنا اور آپ ہی لاجوں مرنا ہے۔ ان حضرات کو اگر آپ نے عام فہم زبان میں من مانے خطبے دینے کا موقع دیا تو یقین جانئے کہ آئے دن مسجدوں میں سر پھٹول ہو گی۔ اس لئے کہ ان میں کا ہر شخص

(اپنا ایک الگ مشرب رکھتا ہے اور اپنے مشرب میں وہ اتنا سخت ہے کہ دوسرے مشرب والوں
کے ساتھ کسی قسم کی رعایت کرنا اس کے نزدیک گناہ سے کم نہیں۔ پھر اللہ نے اس کی زبان
میں ایک ڈنک رکھ دیا ہے جس سے دلوں کو زخمی کئے بغیر وہ کوئی بات نہیں کرسکتا۔

(تفہیمات حصہ دوم صفحہ ۳۵۰ - ۳۵۹ از سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب)

(۱۰) — اگر قارئین ذرا بنظرِ تعمق دیکھیں تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ اس مصیبت کی اصل وجہ کیا ہے جس سے یہ حضرات خود بھی اس قدر ضیق میں رہتے ہیں اور قوم کو بھی پریشانی میں مبتلا رکھتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ بدقسمتی سے یہ حضرات اس غلط فہمی میں مبتلا رہتے ہیں کہ جو شخص علوم شریعت کی کچھ واقفیت حاصل کر لے، اسے دوسرے مسلمانوں کے مقابلہ میں، خصوصی حقوق اور اختیارات حاصل ہو جاتے ہیں۔ جو شخص ان کے ان (خود فرض کردہ) حقوق و اختیارات کو تسلیم کرے، وہ ان کے نزدیک پکا اور سچا مسلمان ہوتا ہے۔ جو انہیں تسلیم نہ کرے، وہ دین کا سب سے بڑا دشمن ہوتا ہے اس سے انہیں سخت غصہ آجاتا ہے۔ یہ ان کی ایک دوسرے کے خلاف باہمی جنگ و جدال اور فتویٰ بازی ان کے اسی غم و غصہ کے مظاہرات ہوتے ہیں۔ جو شخص ان کے ان حقوق و اختیارات کے متعلق کچھ نہیں کہتا، یہ اس کے خلاف کبھی لب کشائی نہیں کرتے، خواہ وہ عقائد کے لحاظ سے کیسا ہی بے دین اور اعمال کے اعتبار سے کیسا ہی فاسق و فاجر کیوں نہ ہو۔ قرآن کریم جس مذہبی پیشوائیت کو ختم کرنے کے لئے آیا تھا وہ، انہی خصوصی حقوق و اختیارات کا تصور تھا۔

قرآن کی رُو سے امت کو قوانین خداوندی کے مطابق چلانے کے اختیارات صرف اسلامی حکومت کو حاصل ہوتے ہیں۔ وہی مسلم اور غیر مسلم کے حدود و امتیاز مقرر کرتی ہے۔ وہ اپنے اختیارات میں سے کچھ اپنے افسرانِ ماتحت (اولو الامر) کو تفویض کر دیتی ہے۔ قاضی۔ مفتی۔ وغیرہ، اسلامی حکومت کے افسرانِ ماتحت (یا منصب دار) ہوتے تھے۔ انہی کو یہ اختیارات دیئے جاتے تھے۔ ان کے علاوہ کوئی اپنے آپ کو ان اختیارات کا مالک نہیں سمجھتا تھا۔ اُس وقت اُن حضرات کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ (مثلاً) جب گورنر کوفہ نے امام ابو حنیفہؒ کو فتویٰ دینے سے منع کر دیا تو

ایک دن آپ گھر میں بیٹھے تھے۔ ان کی لڑکی نے پوچھا کہ میں آج روزہ سے ہوں۔ دانتوں
سے خون نکلا اور تھوک کے ساتھ گلے سے اتر گیا۔ روزہ جاتا رہا یا باقی رہا ہے۔ امام صاحبؒ
نے فرمایا کہ جانِ پدر! اپنے بھائی حماد سے پوچھ۔ میں افتاء سے منع کر دیا گیا ہوں۔

(سیرۃ النعمان - علامہ شبلی - صفحہ ۹۳)

حضرت امام اعظمؒ کی احتیاط کا تو یہ عالم تھا۔ اور اب ان کے نام لیواؤں کی یہ حالت ہے کہ نہ اسلامی حکومت ہے اور

نہ یہ اُن کے مناصب دار ہیں۔ نہ انہیں کسی نے کوئی اختیارات تفویض کئے ہیں، نہ اقتدارات۔ لیکن کیفیت ان کی یہ ہے کہ یہ اپنے آپ کو دوسروں کے کفر و ایمان کا فیصلہ کرنے کی اتھارٹی سمجھتے ہیں۔ یہ ہے وہ غلط فہمی جس میں یہ حضرات بدقسمتی سے مبتلا ہیں اور جس کی وجہ سے ساری اُمت ایک عجیب مصیبت میں گرفتار ہے۔ ان کے اس جذبہ کی

> محرک خواہ تنگ نظری ہو نیک نیتی کے ساتھ۔ یا خود غرضی اور حسد اور نفسانیت ہو بدنیتی کے ساتھ بہرحال اس نے مسلمانوں کی جماعت کو جتنا نقصان پہنچایا ہے، شاید کسی لشکر نے نہیں پہنچایا۔

(سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ تفہیمات حصہ دوم۔ صفحہ ۱۴۱)

مسلمانوں کی جماعت کو اس نقصان عظیم سے بچانے کا خیال تھا جس کی وجہ سے میں نے مفتی صاحب سے اس خط و کتابت کو ضروری سمجھا تھا۔ ورنہ

> میں جانتا تھا جو وہ لکھیں گے جواب میں

اور اس میں وہ معذور بھی ہیں۔

> کیا صوفی و مُلّا کو خبر میرے جنوں کی
> ان کا سر دامن بھی ابھی چاک نہیں ہے

باقی رہا محترم مفتی صاحب کا یہ ارشاد کہ وہ کسی بات کا جواب نہیں دیں گے سو انہیں شاید یاد نہیں رہا کہ ایک مقام ایسا بھی آنے والا ہے جہاں وہ یہ کہہ کر نہیں چھوٹ سکیں گے کہ میں اس سوال کا جواب نہیں دینا چاہتا۔ وہاں تو کیفیت یہ ہوگی کہ

> جو چُپ رہے گی زبان خنجر، لہو پکارے گا آستیں کا۔

پرویز
۲۵ راپریل ۱۹۶۲ء

بقیہ صفحہ ۱۳۶

کے ہاں یہ کہہ کر نہیں چھوٹ جائیں گے کہ میں نے شہاب اور ترجمان القرآن میں یوں پڑھا تھا۔ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا (۱۷/۳۶)

۳۔ دیکھو پرویز کیا کہتا ہے؟

لاہور کے ہفت روزہ ایشیا کی ۳۰ اپریل ۱۹۶۲ء کی اشاعت میں

ناموسِ رسالت اور منکرینِ سنت

کے جلی عنوان کے تحت "مولانا گوہر رحمان۔ ہوتی مردان" کے نام سے ایک مقالہ شائع ہوا ہے جس کی پہلی سطر یہ ہے:۔

> فتنہ انکارِ سنت اور پرویزی مکتبۂ فکر کے ماہنامہ "بلاغ القرآن" نے تحفظِ ناموسِ رسالت کے پُرفریب نام پر صحیح اور ثابت احادیثِ رسول کے خلاف ایک سلسلۂ مضامین شروع کر رکھا ہے۔

اس کے بعد آپ خود اندازہ لگا لیجئے کہ مقالہ میں کیا لکھا ہوگا۔ لیکن آپ یہ معلوم کر کے حیران ہوں گے کہ ماہنامہ "بلاغ القرآن" کو نہ طلوعِ اسلام سے کوئی تعلق ہے نہ پرویز صاحب سے کوئی واسطہ!

لیکن جب مقصد پرویز صاحب کو بدنام کرنا ٹھہرا تو پھر سچ اور جھوٹ میں امتیاز کی کیا ضرورت؟ اگر ہمارے ہاں کی مقدس صحافت کے یہی لیل و نہار رہے تو وہ دن دور نہیں جب سوامی دیانند کی ستیارتھ پرکاش کی عبارات نقل کر کے، لکھا جائے گا کہ دیکھو! پرویز کیا کہتا ہے؟ چنیں دورِ آسماں کم دیدہ باشد

شکریہ اور معذرت

طلوعِ اسلام کنونشن کی تصاویر بالعموم محترم یوسف ضیاء صاحب کے ذوق و کاوش کا نتیجہ ہوتی ہیں جس کے لئے ہم ان کے شروع سے شکرگزار چلے آتے ہیں۔ اس دفعہ انھوں نے جو تصاویر لیں، ان میں سے بعض ایسی تھیں جو طلوعِ اسلام میں چھپ سکتی تھیں اور بعض ایسی جو سلائیڈ کے ذریعے پردۂ سیمیں پر دکھائی جا سکتی ہیں۔ اتفاق سے مختلف بزموں کی تصاویر سلائیڈ پر آئی ہیں جس کی وجہ سے وہ طلوعِ اسلام میں شائع نہیں ہو رہیں۔ اس لئے ہم متعلقہ بزموں سے معذرت خواہ ہیں۔ اگر ان میں سے کچھ تصویریں بلاک میں منتقل ہو سکیں، تو انھیں کسی آئندہ اشاعت میں شائع کر دیا جائے گا۔ ورنہ وہ تمام سلائیڈ آئندہ کنونشن میں دکھائی جا سکیں گی۔

بقیہ رپورٹ صفحہ ۱۱ کے بعد

مطبوعات

پرویز صاحب کی کتابوں اور ادارہ کی دیگر مطبوعات کی طباعت و اشاعت کا کام اب میزان پبلیکیشنز لمیٹڈ کے سپرد ہے اور میزان کے زیر اہتمام یہ سلسلہ خوش اسلوبی سے جاری ہے۔ جہاں تک طباعت و اشاعت کا تعلق ہے ادارہ کی ذمہ داری اب صرف ماہنامہ "طلوع اسلام" تک محدود ہے۔

احباب کو بخوبی معلوم ہے کہ قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کا انحصار کس حد تک طلوع اسلام اور اس کی اشاعت پر ہے لیکن مجھے بصد افسوس یہ عرض کرنے دیجئے کہ اپنے اس ترجمان کی اشاعت بڑھانے کے سلسلے میں بزموں کا جسد بہ عمل بڑا مایوس کن ثابت ہوا ہے اور ادارہ بجا طور پر اس حقیقت کا اعتراف کرے گا کہ مخالفت کے طوفان میں یہ صرف بزم کراچی کی منظم اور جاندار بزم ہے جس نے طلوع اسلام کی اشاعت کو سہارا دے رکھا ہے اور اگر دیگر بزموں کی طرح اس بزم کی تگ و تاز کمزور پڑ جائے تو پھر لامحالہ قرآنی فکر کے اس نقیب کا مستقبل ایک خطرۂ عظیم سے دوچار ہو جائے گا۔

طلوع اسلام نے آج تک کوئی مالی معاونت قبول نہیں کی۔ اور وہ مسلسل جن مالی خساروں کو برداشت کرتا چلا آرہا ہے اس کا ذکر بھی کبھی مناسب نہیں سمجھا گیا۔ نہ ہی اس وقت یہ تذکرہ اس مقصد کے لئے کیا جا رہا ہے۔ مقصد آپ حضرات پر یہ واضح کرنا ہے کہ اگر آپ کی بے اعتنائی کی یہی کیفیت رہی اور طلوع اسلام کی اشاعت کا یہی حال تو پھر دعوتِ قرآنی کی تحریک پر اس کا کس قدر مضر اثر پڑے گا۔ اور اسے کیسی تشویشناک صورتِ حال کا سامنا کرنا ہوگا۔

ادارہ سے متعلق ضروری کوائف آپ کے سامنے پیش کر دیئے گئے ہیں۔ آپ کا فرض ہے کہ ان پر کماحقہٗ غور فرمائیں۔ ان معاملات سے آپ کا گہرا تعلق ہے۔ زندگی کے ایک مقدس ترین مشن کی بجا آوری کے لئے آپ سب ادارہ کے ہمنوا و ہم سفر ہیں۔ اور رفاقت کا یہ سلسلہ مستقبل کی طویل منزلوں تک پھیلا ہوا ہے یعنی یہ رابطہ باہمی عمرِ طبیعی زندگی تک موقوف نہیں بلکہ اس کی وسعتیں اس سے کہیں آگے بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ اس لئے آیئے مستقبل کی شاہراہ پر قدم بڑھاتے ہوئے اپنے عزائم میں ایک نئی حرارت پیدا کریں اور قرآنی تصورات کی بازآفرینیوں کی خاطر اپنی تمام قوتوں کو بروئے کار لے آئیں۔ مبارک ہیں آپ جنھوں نے اس مقصدِ عظیم کے لئے بطیبِ خاطر اپنے آپ کو وقف کیا ہے۔ والسلام